ایک مرد مومن کی تجلیل



بانی مدرسہ سید آل سیدین جعفری

ناشر:

مدرسۂ المہدیؑ

بفرزون، نارتھ کراچی

ایک مرد مؤمن کی تجلیل

تألیف:

گروہ تحریر مدرسہ المہدیؑ

ناشر:

مدرسہ المہدیؑ

بفرزون، نارتھ کراچی

نام کتاب: .... ایک مرد مؤمن کی تجلیل

تالیف: .... گروہ تحریر مدرسہ المہدیؑ

تعداد: ۱۰۰۰

تاریخ اشاعت: .... رجب المرجب ۱۴۳۴ھ بمطابق مئی 2013

ناشر: .... مدرسہ المہدیؑ، کراچی

ایڈیشن: .... اول

طبع: .... پرنٹ سپورٹ

التماس سورۂ فاتحہ

قارئین سے گزارش ہے کہ

مرحوم سید آل سیّدین جعفری

کے ایصال ثواب کے لئے ایک مرتبہ

سورہ فاتحہ اور تین مرتبہ سورہ اخلاص

کی تلاوت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مطالب

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ ربّ العالمین و الصلاۃ و السلام علیٰ اشرف الانبیاء و المرسلین و آلہ المیامین۔

زیرِ نظر کتابچہ ایک ایسے مخلص اور مخیّر شخصیت اور ان کے دینی خدمات کی تجلیل و قدر دانی کا تذکرہ ہے جن کی رحلت نہ صرف ان کے خانوادے کے لئے بلکہ پوری ملت بالاخص مدرسہ المہدیؑ کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"۔

اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو ان کے کچھ پسندیدہ عمل، جیسے اللہ پر محکم ایمان اور اعتقادِ کامل، دین اور دینداری سے عشق اور علماء و طلاب دینی کی قدردانی، صدقہ جاریہ، تاسیس مدرسہ دینی، احیاء امر ائمہؑ اور خلوص نیت، کی وجہ سے خاص لطف و کرم اور توفیق سے نوازتا ہے اور دوسروں کے لئے قابل تقلید بنا دیتا ہے۔ انہی میں سے ایک مرحوم سید آل سید ین جعفری تھے جنہوں نے اپنے رزق حلال سے مدرسہ المہدیؑ قائم کیا اور اسے وقف کر کے جناب حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ شیخ محسن علی نجفی (زیدہ عزہ) صاحب کے حوالے کر دیا۔ تاکہ دینی تعلیم کا درس و تدریس اور کتب اہل بیتؑ کی ترویج اور نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری کیا جائے۔

الحمد للہ یہ سلسلہ عرصہ بیس سال سے احسن طریقے سے انجام پا رہا ہے اور اب تک اس مدرسہ مبارکہ سے سینکڑوں طلاب، تعلیمات اہل بیتؑ سے فیضیاب اور فارغ التحصیل ہو کر ملک کے گوشہ و کنار میں دینی اور تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور کثیر تعداد طلاب، حوزہ

علمیہ قم، مشہد مقدس اور نجف اشرف میں اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مصروف ہیں۔

اس قسم کے کارِ خیر انجام دینے والوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں بہترین اجر وثواب عطا کرتا ہے جس کی شاہد آیات اور احادیث ہیں: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضَاعِفَهُ لَهُ وَ لَهُ اَجْرٌ کَرِیْمٌ (سورہ حدید۔ 11)۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ (سورہ صف۔ 10) پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "من سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها إلی یوم القیامة من غیر ان ینقص من اجورهم شیئاً۔ اور امام موسیٰ کاظمؑ کا یہ فرمان: قیامت کے دن عرصہ محشر میں ہر انسان نفسانفسی کے عالم میں ہوگا اور ہر انسان شدت گرمی کی وجہ سے سائے کی تلاش میں سرگرداں ہوگا، اس وقت عرش الٰہی کے علاوہ کہیں پر بھی سایہ نہیں ہوگا، اس ہولناک موقع پر صرف تین قسم کے خوش نصیب لوگ ہونگے جو عرش الٰہی کے سائے تلے پُرسکون حالت میں ہونگے۔ الف: جس نے اپنے مومن بھائی کے ساتھ نیکی کی ہو، ب: کسی مومن کی مشکل کو حل کیا ہو، ج: کسی مومن کو خوش کیا ہو۔

مرحوم جعفری انہیں خوش نصیب انسانوں میں سے ایک ہیں، جو اس حدیث مبارکہ کا مصداق بنتا ہے۔ انسان اس دنیا میں جو بھی نیک عمل انجام دیتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں یقیناً اس عمل کی پاداش اور اجر وثواب عطا کرے گا۔ لیکن آیات قرآنی اور فرامینِ ائمہؑ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال کا اجر وثواب انسان کی دنیوی زندگی میں بھی عطا کرتا ہے۔ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے ان کی اہلیہ محترمہ ابتداء سے دینی امور میں انکی معاون اور شانہ بشانہ رہی

ہیں۔اور دینی خدمات میں شریک ،ہمفکر اوران کی دینی سوچ اورفکر کو پروان چڑھانے اور محکم کرنے میں بڑا کردارادا کیا۔یہاں تک کہ مدرسے کی طرف مرحوم کو متوجہ کرنے اوراس پر سرمایہ خرچ کرنے میں بھی اہلیہ محترمہ کی سوچ بے حد دخیل ہے۔یوں کہا جاسکتا ہے کہ حقیقت میں مدرسہ بنانے کی سوچ اہلیہ ہی کے خواب کی تعبیر ہے۔اور مرحوم کے تمام دینی خدمات میں ان کی اہلیہ محترمہ ہمسفر رہی ہیں۔

لیکن قانون الٰہی کے سامنے ہر انسان سر تسلیم خم ہوتا ہے اور موت برحق ہے لہٰذا یہ خوش نصیب انسان 12-12-2012 کو دن 12 بجے اس دار فانی کو الوداع کہہ کر اپنے آباء اجداد طاہرینؑ کی طرف روانہ ہوئے اور ملت تشیع پاکستان خاص کر مدرسہ المہدیؑ کے مسؤلین اور طلاب ایک مشفق سرپرست سے محروم ہو گئے اور ہمیں داغ فراق دیکر فردوس اعلیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔

لہٰذا ہر صاحب ایمان کو یہ سوچنا اور دیکھنا چاہیے کہ دنیا میں کس طرح زندگی گزاریں اور کس قسم کے کار خیر انجام دیں اور اپنے مال ودولت کو کس راہ میں خرچ کریں، دنیوی چند دن کی زودگذر اور فانی زندگی کی عیش ونوش میں یا دائمی اور لافانی زندگی کو آباد اور سعادت حاصل کرنے میں۔"رَحِمَ اللّٰهُ امراء احیا اَمرَنا "یعنی احیاءامر ائمہؑ کی راہ میں۔جس کا صلہ دنیا اور آخرت دونوں میں ملے گا یا خواہشات نفسانیکی راہ میں۔جس کی لذّت اور فائدہ بہت ہی محدود ہے۔

ہم مدرسے کی ہیئت تحریریہ کے بے حد مشکور وممنون ہیں کہ انہوں نے اس کتابچہ کی تدوین میں ہمارا ساتھ دیا۔خصوصا مدرسے کے اساتید گرامی مولانا سید نیاز حسین نقوی اور

مولانا محسن عباس جن کی شب و روز کی محنت اور کاوشوں کے نتیجے میں یہ کتابچہ منظر عام پر آ سکا۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے جملہ مساعی کا ثواب جعفری مرحوم کو عطا کرے۔ اور ہم سب کو علم و عمل کی توفیق دے۔ آمین

والسلام

غلام محمد سلیم

مدیر: مدرسہ المہدیؑ، کراچی پاکستان

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ شیخ محسن علی نجفی (مدظلہ العالی)

مدرسۃ المہدی (ع) توفیق الٰہی

کسی کار خیر کی انجام دہی کے لیے اسباب وسائل کا فراہم ہونا توفیق ہے اور توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتی ہے۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے وہ اندھی بانٹ نہیں ہوتی وہ اہل کو ملتی ہے۔

سید آل سیدین جعفری (رحمۃ اللہ علیہ) ایک عظیم توفیق کے اہل ثابت ہوئے کہ دین مقدس اسلام کے امین مکتب اہلبیت علیہم السلام کا تحفظ جس مقدس ترین سلسلے کے سپرد ہے اس سلسلے میں اپنے آپ کو شامل کر کے سید آل سیدین جعفری رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو زندہ جاوید کر دیا۔

اس سلسلے سے مدارس دینیہ ہیں جو معصومین کے زمانے سے لے کر تا قیام مہدی (عجل اللہ فرجہ الشریف) اس بار امانت کے امین ہیں، اسی سلسلے نے مکتب کو محفوظ رکھا ہے۔

خوش قسمت ہیں سید آل سیدین جعفری کہ اس مقدس ترین سلسلے میں داخل ہو کر اس مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے والے طالب علموں کی خدمات، آگے ان کی طرف سے قائم ہونے والے مدارس اور شاگردوں کی خدمات میں آل سیدین جعفری برابر کے حقدار ہوں گے۔

حدیث میں ہے: "المومن ینظر بنور اللہ" مومن نور خدا کی روشنی میں دیکھتا ہے، مرحوم جعفری کی فہم و فراست قابل رشک ہے کہ انہوں نے اپنی عاقبت کے لیے کیا بہترین سامان

آمادہ کیا! اور اپنے پیچھے ہمیشہ جاری رہنے والی حسنات جاریہ چھوڑ گئے۔

اور حسن توفیق کی بہترین علامت یہ ہے کہ اس مدرسہ مبارکہ کو جناب حجۃ الاسلام والمسلمین آقای (سلیم دام عزہ) کے سپرد کیا جو نہایت مقتدر عالم، متقی اور بہترین مربی ہیں۔

آسودہ باد جعفری اپنی قبر میں۔ آسودہ باد برزخی حیات میں

آسودہ باد جنت الفردوس میں۔ والسلام علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محسن علی نجفی

اسلام آباد

☆☆☆☆☆☆☆☆

عالم بنو یا عالم دوست

اللہ تعالیٰ نے انسان کو باقی تمام مخلوقات پر ہر قسم کی برتری عطاء کر کے اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کیا اور انسان کی خلقت کے بعد اپنے آپ کو احسن الخالقین کی صفت سے متصف کیا، البتہ انسان کا حُسن خلقت اور شرف اس وقت نمودار ہوتا ہے جب وہ انسانی اور اخلاقی اقدار کا حامل ہو کر، سعادت وکمال کی راہ پر گامزن ہو، وگرنہ انسانیت سے عاری صرف نام کا انسان ہرگز اشرفیت کا مقام حاصل نہیں کرتا، بلکہ بسا اوقات وہ حیوانیت کے زمرے میں بھی نہیں آسکتا، اور سعادت وکمال، علم ودانش کے بغیر میسر نہیں آتے، یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جو کہ عالم انسانیت کے لئے دستور حیات اور منشور زندگی فراہم کرتا ہے، علم و دانش کو بے انتہا اہمیت دی ہے کیونکہ علم ودانش سے معرفت پروردگار حاصل ہوتی ہے اور یہی مقصد خلقت انسان ہے۔

ہدف خلقت انسان حصول معرفت پروردگار

قرآن مجید میں انسان کی خلقت کا مقصد اور ہدف یوں بیان ہوا ہے: (وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (ذاریات۔۵۶) ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے خلق کیا ہے، اور مفسرین کی نظر میں کلمہ "یعبدون" سے مراد "یعرفون" ہے (تفسیر روح المعانی) یعنی انسان کی خلقت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ جب انسان کی خلقت کا مقصد معرفت الٰہی قرار پایا تو ہمیں سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ معرفت ہے کیا؟۔

معرفت کا لغوی اور اصطلاحی معنی: لفظ معرفت عرف سے مشتق ہے اور لغت میں اس کا معنی ہے کسی چیز کی ذات، آثار اور خصوصیات کے بارے میں علم حاصل کرنا جبکہ اصطلاح میں کسی چیز کو اس کے غیر سے ممتاز کر دینے کو اس چیز کی معرفت کہا جاتا ہے۔ آیت اللہ جوادی آملی اپنی کتاب ''معرفت شناسی در قرآن'' میں معرفت کے ارکان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ معرفت کا حاصل ہونا تین چیزوں پر موقوف ہے، علم، عالم اور معلوم۔ پس معلوم ہوا کہ علم اور معرفت کا گہرا رابطہ ہے یعنی علم کے بغیر معرفت ممکن نہیں۔

احادیث میں علم اور معرفت کی بہت زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں: (قیمة کل امرء ما یحسنه) کتاب محجة البیضا میں بھی یہ جملہ نقل ہوا ہے'' قیمة کل امرء ما یعلمه ''ہر شخص کی قیمت اس کے علم و دانش کے اعتبار سے ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کا یہ کلام اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ ہر انسان کی ارزش اس کے علم و معرفت کے مطابق ہے۔ پس آیات اور روایات سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کی خلقت کا مقصد معرفت الٰہی کا حصول ہے اور معرفت الٰہی علم کے بغیر ممکن نہیں اور انسان کی ارزش اور قدر و قیمت بھی اسکے علم سے ہے۔

علم کی حقیقت

مندرجہ بالا بیان سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ مقصد خلقت انسان علم کے بغیر ممکن نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم کی حقیقت کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول اس حدیث مبارکہ میں دیا گیا ہے: ''اوّل العلم معرفة الجبار

آخر العلم تفویض الامر الیہ" (بحار الانوار ج ص ۲۲۵) علم کی پہلی منزل معرفت الٰہی اور آخری مرحلہ اپنے تمام امور اپنے خالق حقیقی کے حوالے کر دینا ہے۔ اور اسی مرحلے کو حقیقی معنی میں معرفت الٰہی کہتے ہیں، لیکن روایات کی روشنی میں یہ مقام اور منزلت ہر ایک کو نہیں ملتا بلکہ کتاب "مصباح الشریعہ، ص ۱۶" میں حضور ﷺ سے منقول حدیث کے مطابق جس میں آپ نے فرمایا: "العلم نور یقذفہ اللہ فی قلب من یشاء" علم وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے، یعنی معرفت کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے اور علم کے لیے پاکیزہ قلب کا ہونا ضروری ہے۔ اور قلب کی طہارت صرف اور صرف اپنے معبود کی مکمل بندگی سے ممکن ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اس دنیا میں انسان کی ذمہ داری اپنے پروردگار کی بندگی اور عبادت ہے۔ لیکن قرآن نے عبادت کے اعتبار سے انسان کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے، کچھ وہ افراد ہوتے ہیں جو فردی عبادت انجام دیتے ہیں یعنی انکی عبادت کا فائدہ صرف انکی ذات اور شخصیت تک محدود ہوتا ہے، جیسے روزہ، حج، اور اعتکاف وغیرہ لیکن کچھ ایسے افراد ہوتے ہیں جو اجتماعی عبادت انجام دیتے ہیں جس کا سب سے بڑا فائدہ دوسروں کو پہنچتا ہے جیسے مسجد کی تعمیر، راستے میں پانی کا بندوبست کرنا، یا لوگوں کی علمی پیاس بجھانے اور معاشرے میں دینی علوم کی ترویج کا زمینہ فراہم کرنا، یہ وہ عبادتیں اور ذمہ داریاں ہیں جن کو انجام دینے والے افراد کا مقام اور منزلت یقیناً بہت زیادہ ہے، فردی عبادت تو اکثر انجام دیتے ہیں لیکن اجتماعی عبادت کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی ہر ایک کو توفیق حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایسے افراد کا انتخاب پروردگار خود کرتا ہے کیوں کہ یہ وہ رسالت ہے جو اللہ تعالیٰ انبیاء، ائمہ اور اپنے صالح بندوں کو سونپتا ہے اور اسی

مطلب کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (سورہ انعام) یا ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ: اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ (سورہ بقرہ) اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ ذمہ داری کس کے کاندھوں پر ڈالے۔

علم ودانش کی اہمیت قرآن مجید کی نظر میں

علم ودانش کی پیدائش، انسان کی خلقت کے ساتھ ہوئی ہے اور انسان ہمیشہ اس کوشش میں رہا ہے کہ اسے سمجھے اور ادراک کرے۔ انسان کی زندگی میں علم ودانش کا خاص مقام ہے۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں علم کا رول (Role) یہ ہے کہ وہ انسان کی سعادت، کمال اور مادی ومعنوی تعمیر وترقی کی راہ میں راہنمائی کرتا ہے۔ علم انسان کو توانائی بخشتا ہے تا کہ وہ اپنے مستقبل کو اپنی مرضی کے مطابق سنوارے۔ علم انسان کی چاہت کے اختیار میں ایک وسیلہ کے مانند ہوتا ہے تا کہ وہ اپنی قسمت کو اپنی مرضی کے مطابق بنائے۔ پس جس نے اپنی زندگی علم کی روشنی کے بغیر گزاری اس نے گویا جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اپنے آپ کو گم کر دیا اور انحرافی راہ پر چل پڑا۔ اور راہ کج کا راہی کبھی اپنی منزل نہیں پا سکتا، بلکہ وہ اپنے ہدف سے مزید دور ہوتا جاتا ہے۔

علم ودانش کے بارے میں کلام خدا کی تاکیدیں اور ہمت افزائیاں اس امر کا سبب بنیں کہ مسلمانوں نے پوری دنیا میں بے مثال تلاش وکوشش کے ساتھ علم حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ شروع کی اور انہوں نے جہاں بھی علم ودانش کے آثار پائے انہیں حاصل کیا اور ترجمے کیے اور خود بھی تحقیق کا کام شروع کیا۔ اس طرح قدیم یونانی، رومی، ایرانی، مصری اور ہندی تمدنوں اور جدید یورپی تمدن کے درمیان ایک رابطہ قائم کرنے کے علاوہ، تاریخ بشریت کے

ایک باشکوہ تہذیب وتمدن کو ترویج دی جو اسلامی تہذیب وتمدن کے نام سے مشہور ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنی تعلیمات کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے ایک بہترین اسلوب، دو متضاد پہلوؤں کا آپس میں موازنہ کے طور پر بتایا ہے جس سے بات کسی ابہام کے بغیر واضح ہو جاتی ہے۔ جیسے ظلمت ونور کا موازنہ، عاقل وبے عقل کا موازنہ اور عالم وجاہل کا موازنہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے عالم وجاہل کا موازنہ کر کے علم کی اہمیت کو اس آیت میں یوں بیان کیا ہے: "قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ" (سورہ زمر، آیہ ۹) (کہہ دیجئے کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں ان کے برابر ہو جائیں گے جو نہیں جانتے ہیں۔ اس بات سے نصیحت صرف صاحبان عقل حاصل کرتے ہیں۔)

سورہ "اقراء" جو بقول اکثر مفسرین، قرآن مجید کا پہلا تنزیلی سورہ ہے۔ اس میں اعلان ہوتا ہے کہ رب اکرم نے انسان کو خلق کرنے کے بعد تمام امور کی تعلیم دے دی ہے اس طرح نعمت وجود کے بعد نعمت علم کا ذکر کیا گیا ہے جو دلیل ہے کہ علم کائنات کی سب سے عظیم نعمت ہے اور رب کریم نے انسان کو سب سے بڑا شرف یہی دیا ہے کہ اسے علق سے علم تک پہنچا دیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے حجاز کے ماحول کو سراسر جہالت و نادانی کے ماحول نے گھیر رکھا تھا، وحی کی پہلی آیات میں علم اور قلم کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی، حقیقت میں یہ آیات پہلے انسانی جسم کی ایک بے قدر و قیمت لوتھڑے (علقہ) جیسے موجود تکامل وارتقاء کی خبر دیتی ہیں، اور دوسری طرف سے روح کے تکامل کی، تعلیم وتعلم کے ذریعے خصوصا قلم کے ذریعہ بات کرتی ہیں۔

جس دن یہ آیات نازل ہو رہی تھیں اس دن نہ صرف حجاز کے ماحول میں، جو جہالت کا ماحول تھا، کوئی شخص قلم کی قدر و منزلت کا قائل نہ تھا بلکہ اس زمانہ کی متمدن دنیا میں بھی قلم کی کم ہی قدر کی جاتی تھی۔ لیکن آج کے زمانہ میں ہم جانتے ہیں کہ وہ تمام تمدن، علوم و فنون اور ترقیاں جو میدان میں نوعِ بشر کو نصیب ہوئی ہیں، قلم کے محور کے گرد گردش کرتی ہیں۔

گویا وحی الٰہی کے آغاز ہی میں جس چیز کی طرف سرکارِ دو عالم ﷺ کے ذریعے نوعِ بشر کو توجہ دلائی گئی، وہ لکھنا پڑھنا اور تعلیم و تربیت کے جواہر و زیور سے انسانی زندگی کو آراستہ کرنا تھا۔ حضور ﷺ کو جب نبوت کے منصب عظیم سے نوازا گیا، اس وقت جزیرۃ العرب کی کیا حالت تھی؟ قتل و غارت گری، چوری، ڈکیتی، قتلِ اولاد، زنا، بت پرستی۔ کون سی ایسی برائی نہ تھی جو ان میں پائی نہ جاتی ہو۔ بعض اوقات بڑے فخریہ انداز میں اسے انجام دیا جاتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کی اور زندگی گزارنے کے ایسے اصول بتائے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی حالت یکسر بدل گئی اور تہذیبی قدروں سے آشنا ہو گئے۔ جہاں اور جدھر دیکھیے لوگ تعلیم و تعلم سے جڑ گئے اور قرآن و حدیث کی افہام و تفہیم میں مشغول ہو گئے اور حقیقت یہ ہے کہ مداد علماء (علماء کے قلم کی سیاہی) دماء شہداء (شہداء کے خون) پر سبقت لے چکی ہے کیونکہ شہید کے خون کی بنیاد اور اس کی پشتیبان علماء کے قلموں کی سیاہی ہی ہے، اور اصولی طور پر انسانی معاشروں کی سرنوشت پہلے درجہ میں قلم کی نوک سے ہی لکھی گئی ہے۔

انسانی معاشرے کی اصلاحی باتیں مومن و متعہد قلموں سے لکھی جاتی ہیں، اور معاشروں کے فساد اور تباہیوں کی باتیں بھی مسموم اور فاسد قلموں سے ہی تحریر میں آتی ہیں۔ یہ بات بلاوجہ نہیں ہے کہ قرآن مجید نے قلم کی اور جو کچھ قلم سے لکھتے ہیں، اس کی قسم کھائی ہے۔ یعنی

آن کی قسم بھی کھاتا ہے اور جو کچھ اس سے حاصل ہوتا ہے اس کی قسم بھی کھائی جاتی ہے، یہ علم اور اسکی اہمیت کا واضح ثبوت ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:نٓ و القلم وما یسطرون (قلم)(ن، قلم اور اس چیز کی قسم جو یہ لکھ رہے ہیں۔)

وَ مَنْ یُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِیَ خَیْراً كَثِیراً (سورہ بقرہ/آیہ ۲۶۹) جسے حکمت عطا ہو گئی اسے خیر کثیر مل گیا۔ حکمت سے مراد توفیق علم وعمل ہے۔ إِنَّمَا یَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔ (فاطر:۲۸) بندوں میں اللہ سے ڈرنے والے صرف علماء ہیں۔

قرآن اور علم کے رشتے کو سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ قرآن عالم انسانیت کی رہبری کے لئے آیا ہے اور عالم انسانیت کا کمال وجوہر، علم ودانش ہی سے کھلتا ہے۔ قرآن نے رسول اکرم ﷺ کی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ رسول کو تعلیم کتاب کے لئے بھیجا گیا ہے۔"یعلمھم الکتاب" اور کتاب کی تعریف میں یہ الفاظ بیان کئے ہیں کہ۔"لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین"(سورہ انعام:۵۹) کوئی خشک وتر ایسا نہیں جو اس کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔ جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ رسول عالم انسانیت کو ہر خشک وتر کی تعلیم دینے آیا تھا۔

بنیادی طور پر انسان کی خلقت علم ومعرفت کے ساتھ منسلک ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:"وَ عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ "(سورہ بقرہ:۳۱) اور خدا نے آدم کو (خلقت کے اسرار کا علم اور موجودات کی نام گزاری کا علم، یعنی) تمام اسماء کی تعلیم دی اور پھر ان سب کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ ذرا تم ان سب کے نام تو بتاؤ اگر

تم اپنے خیالی استحقاق میں سچے ہو؟۔

قرآن مجید میں ان آیات کے علاوہ متعدد ایسی آیات بھی پائی جاتی ہیں جو علم و دانش کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت اور انسان کی زندگی میں اس کے کردار اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مختلف پہلوؤں سے اس کے نتائج کی بحث پر مشتمل ہیں۔ہم یہاں پر ان میں سے بعض آیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

(۱) بعض آیات میں اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے کہ افراد کے لئے منصبوں کے انتخاب کے سلسلہ میں علم و دانش ایک معیار شمار ہوتا ہے:

سورہ بقرہ کی آیت: ۲۴۷ اس موضوع کی طرف اشارہ کرتی ہے:إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ وَ اللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيم" انہیں اللہ نے تمہارے لئے منتخب کیا ہے اور علم و جسم میں وسعت عطا فرمائی ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک دیتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور صاحب علم بھی۔"

(۲) علم کا ایمان اور قرآن مجید کے مفاہیم و اسرار کے ساتھ اٹوٹ رشتہ ہے:

سورہ بقرہ کی آیت نمبر۲: وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ وَ اللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيم۔ "ان کے پیغمبر علیہ السّلام نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو حاکم مقرر کیا ہے۔ان لوگوں نے کہا کہ یہ کس طرح حکومت کریں گے ان کے پاس تو مال کی فراوانی نہیں ہے ان سے زیادہ تو ہم ہی حقدار حکومت ہیں۔ نبیؐ نے جواب دیا کہ

انہیں اللہ نے تمہارے لئے منتخب کیا ہے اور علم وجسم میں وسعت عطا فرمائی ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک دے دیتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور صاحب علم بھی"۔

(۳) اثبات حق کے لئے علم مقدمہ ہے:

اس سلسلہ میں ارشاد الٰہی ہے:" وَلَن تَرْضىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ "(سورہ بقرہ:۱۲۰) یہود ونصاریٰ آپ سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کی ملت کی پیروی نہ کرلیں تو آپ کہہ دیجئے کہ ہدایت صرف ہدایت پروردگار ہے۔اور اگر آپ علم کے آنے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے تو پھر خدا کے عذاب سے بچانے والا نہ کوئی سرپرست ہوگا نہ مددگار"۔

(۴) علماء اور دانشوروں کی گواہی کا خدا اور ملائکہ کی گواہی کے ہم پلہ ہونا:

اس سلسلہ میں ارشاد الٰہی ہے: شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ "(سورہ آل عمران:۱۸) اللہ خود گواہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے ملائکہ اور صاحبان علم گواہ ہیں کہ وہ عدل کے ساتھ قائم ہے۔

(۵) علم ودانش، بصیرت وبینائی کا سبب ہے:

اس سلسلہ میں ارشاد الٰہی ہے: وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ (سورہ قصص:۸۰)" اور

جنہیں علم دیا گیا تھا، انہوں نے کہا کہ افسوس تمہارے حال پر۔ اللہ کا ثواب صاحبان ایمان وعمل صالح کے لئے اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور وہ ثواب صبر کرنے والوں کے علاوہ کسی کو نہیں دیا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ علم ودانش کی اس قدر اہمیت ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبر، اس کے لئے ایک پُر خطر سفر کی مشکلات کو برداشت کرتا ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ علم وآگاہی حاصل کر سکے۔ یہ داستان سورہ کہف کی آیت نمبر سے تک حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے قصہ میں آئی ہے، ارشاد ہوتا ہے: قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا...." موسیٰ نے اس بندہ سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے اس علم میں سے کچھ تعلیم کریں جو رہنمائی کا علم آپ کو عطا ہوا ہے.....

اس کے علاوہ مختلف آیات میں اہل علم کا تذکرہ اپنی ذات کے ساتھ کیا گیا ہے جو ان کے شرف وعظمت کی بہترین دلیل ہے۔

حصول علم کی اہمیت احادیث کی روشنی میں

تمام انبیاء اور خصوصا پیغمبر اسلام ﷺ، علم ودانش حاصل کرنے کے لیے اپنے پیروکاروں کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کے بچوں کے لیے تعلیم حاصل کرنا ضروری قرار دیا، اور اپنے بعض صحابیوں کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔ علم کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے اپنی عملی جدوجہد کے علاوہ گفتاری انداز میں بھی اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

روایات میں علم کے بے حد فضائل وارد ہوئے ہیں۔ اور مختلف انداز میں علم کی

اہمیت، عالم کی فضیلت اور علم کی برکات جیسے موضوعات کو تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔
ان احادیث میں علم کی اہمیت کو اس قدر اجاگر کیا گیا ہے کہ اس کو حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "طلب العلم فریضة علی کل مسلم (اصول کافی، ج ۱، ص ۳۰) یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض وواجب ہے۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کے واجبات میں سے ایک واجب علم حاصل کرنا ہے۔

احادیث کی کتابوں میں "باب وجوب طلب العلم" کے نام سے یا اسی عنوان کے مانند ایک مخصوص باب ہے۔ فرماتے ہیں کہ علم کے لئے تلاش وکوشش کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، اس میں کسی قسم کا استثنیٰ نہیں ہے، حتی کہ مرد اور عورت کے لحاظ سے بھی اس میں کوئی استثنیٰ نہیں ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ علم حاصل کرنے کا فریضہ ایک عمومی فریضہ ہے، یہ کسی خاص طبقہ، صنف یا جنس سے مخصوص نہیں ہے۔

علم سے متعلق چند دلچسپ روایات کو یہاں ذکر کرتے ہیں:

(۱) امیر المومنین علی علیہ السلام اپنے ایک طولانی کلام کے ضمن میں جناب کمیل بن زیاد نخعی سے فرماتے ہیں: یَا کُمَیْلُ الْعِلْمُ خَیْرٌ مِنَ الْمَالِ الْعِلْمُ یَحْرُسُکَ وَ أَنْتَ تَحْرُسُ الْمَالَ وَ الْمَالُ تَنْقُصُهُ النَّفَقَةُ وَ الْعِلْمُ یَزْکُوا عَلَی الْإِنْفَاقِ وَ صَنِیعُ الْمَالِ یَزُولُ بِزَوَالِهِ۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۷) اے کمیل! (یاد رکھو) علم مال سے بہتر ہوتا ہے، کیونکہ علم خود تمہاری حفاظت کرتا ہے اور مال کی حفاظت تمہیں کرنا پڑتی ہے، مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے لیکن علم خرچ کرنے سے بڑھ جاتا ہے، اور مال کے اثرات اس کے فنا ہونے کے ساتھ ہی فنا ہو جاتے ہیں۔

(۲) امیر المؤمنین حضرت علیؑ فرماتے ہیں: کُلُّ وِعَاءٍ يَضِيقُ بِمَا جُعِلَ فِيهِ إِلَّا وِعَاءَ الْعِلْمِ فَإِنَّهُ يَتَّسِعُ ۔ (تصنیف غرر الحکم و درر الکلم، ص۴۳، فضیلۃ العلم) ہر ظرف اپنے سامان کے لیے تنگ ہو سکتا ہے لیکن علم کا ظرف علم کے اعتبار سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔

(۳) امیر المؤمنین علیؑ فرماتے ہیں: أَيُّهَا النَّاسُ اعْلَمُوا أَنَّ كَمَالَ الدِّينِ طَلَبُ الْعِلْمِ وَ الْعَمَلُ بِهِ أَلَا وَ إِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ أَوْجَبُ عَلَيْكُمْ مِنْ طَلَبِ الْمَالِ إِنَّ الْمَالَ مَقْسُومٌ مَضْمُونٌ لَكُمْ قَدْ قَسَمَهُ عَادِلٌ بَيْنَكُمْ وَ ضَمِنَهُ وَ سَيَفِي لَكُمْ وَ الْعِلْمُ مَخْزُونٌ عِنْدَ أَهْلِهِ وَ قَدْ أُمِرْتُمْ بِطَلَبِهِ مِنْ أَهْلِهِ فَاطْلُبُوهُ ۔ (الکافی، ج۱ ص۳۰) اے لوگو! جان لو کہ دین کا کمال علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہے، اور جان لو کہ علم کا طلب کرنا تم پر مال کے طلب کرنے سے زیادہ لازم ہے، کیونکہ مال کو تمہارے لیے تقسیم اور تضمین کر دیا گیا ہے، اسے عادل (خدا) نے تمہارے درمیان تقسیم کیا ہے اور تم تک پہنچا دے گا، لیکن علم، اس کے اہل کے پاس مخزون اور محفوظ ہے، اور تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ علم کو اس کے اہل سے طلب کرو پس تم اسے طلب کرو۔

(۴) امام صادق علیہ السلام نے ابو حمزہ سے فرمایا: اغْدُ عَالِماً أَوْ مُتَعَلِّماً أَوْ أَحِبَّ أَهْلَ الْعِلْمِ وَ لَا تَكُنْ رَابِعاً فَتَهْلِكَ بِبُغْضِهِمْ ۔ (الکافی، ج۱ ص۳۴، باب اصناف الناس) عالم بنو یا طالب علم بنو یا اہل علم کو دوست رکھو اور چوتھے نہ بنو (یعنی دشمن اہل علم نہ بنو) کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی دشمنی کی وجہ سے ہلاک ہو جاؤ۔

(۵) امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ خیر کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: لَيْسَ الْخَيْرُ أَنْ يَكْثُرَ مَالُكَ وَ وَلَدُكَ وَ لَكِنَّ الْخَيْرَ أَنْ يَكْثُرَ عِلْمُكَ وَ عَمَلُكَ وَ

أَنْ يَعْظُمَ حِلْمُكَ وَ أَنْ تُبَاهِيَ النَّاسَ بِعِبَادَةِ رَبِّكَ فَإِنْ أَحْسَنْتَ حَمِدْتَ اللّٰهَ وَ إِنْ أَسَأْتَ اسْتَغْفَرْتَ اللّٰهَ وَ لَا خَيْرَ فِي الدُّنْيَا إِلَّا لِرَجُلَيْنِ رَجُلٍ أَذْنَبَ ذَنْباً فَهُوَ يَتَدَارَكُهَا بِالتَّوْبَةِ وَ رَجُلٍ يُسَارِعُ فِي الْخَيْرَاتِ وَ لَا يَقِلُّ عَمَلٌ مَعَ التَّقْوَى وَ كَيْفَ يَقِلُّ مَا يُتَقَبَّلُ ۔ (بحارالانوار، ج ۶۶ ص ۳۰۹، باب ۳۸) خیر یہ نہیں ہے کہ تمہارا مال و ثروت اور اولاد زیادہ ہو، بلکہ خیر یہ ہے کہ تمہارا علم اور عمل زیادہ ہو، اور تمہارا حلم عظیم ہو اور اپنے پروردگار کی عبادت کے ذریعہ لوگوں پر فخر و مباہات کرو، پس اگر تم نے نیکی کی ہے تو خدا کی حمد بجا لاؤ اور اگر بدی کی ہے تو استغفار کرو، اور دنیا میں خیر نہیں ہے مگر دو افراد کے لیے، ایک وہ کہ جو کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور استغفار کے ذریعہ اس کا تدارک اور جبران کرتا ہے اور دوسرا وہ کہ جو نیکیاں اور اچھے کام انجام دینے میں جلدی کرتا ہے، وہ عمل کہ جس کے ساتھ تقویٰ ہو کم نہیں ہوتا اور کس طرح کم ہو سکتا ہے وہ عمل کہ جسے قبول کر لیا جاتا ہے۔

(۶) امیرالمومنین علیؑ فرماتے ہیں: اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ مَطْبُوعٌ وَ مَسْمُوعٌ وَ لَا يَنْفَعُ الْمَسْمُوعُ إِذَا لَمْ يَكُنِ الْمَطْبُوعُ ۔ (نہج البلاغۃ، حکمت ۳۳۸) علم کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہوتا ہے جو طبیعت میں ڈھل جاتا ہے اور ایک وہ ہوتا ہے جو صرف سن لیا جاتا ہے، اور سنا سنایا علم اس وقت تک کام نہیں آتا جب تک مزاج کا جزء نہ بن جائے۔

اس حدیث میں مولائے کائنات نے عمل کو علم کا لازمی حصہ قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے عمل کے بغیر علم انسان کو گمراہ بھی کر سکتا ہے۔ کسی دوسری حدیث کے مطابق علم کبھی انسان کے لئے حجاب اکبر بھی بن سکتا ہے۔

۷) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَلَا إِنَّ اللّٰهَ

یُحِبُّ بُغَاةَ الْعِلْمِ۔(الکافی۔ج۱ص۳۰)

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، جان لو کہ خدا طالبانِ علم کو دوست رکھتا ہے۔

(۸) امام علیؑ فرماتے ہیں: اَلْعِلْمُ مَقْرُونٌ بِالْعَمَلِ فَمَنْ عَلِمَ عَمِلَ وَ الْعِلْمُ يَهْتِفُ بِالْعَمَلِ فَإِنْ أَجَابَهُ وَ إِلَّا ارْتَحَلَ عَنْهُ۔(بحار الانوار،ج۲ص۳۶،باب۹)

علم کا مقدر عمل سے جڑا ہوا ہے اور جو واقعی صاحب علم ہوتا ہے وہ عمل بھی کرتا ہے، یاد رکھو کہ علم، عمل کے لیے آواز دیتا ہے پس اگر (انسان) سن لیتا ہے تو خیر ورنہ خود بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

(۹) امام باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ يُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ الرِّئَاسَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِأَهْلِهَا۔(الکافی،ج۱ص۴۷،باب المستأکل بعلمہ والمباہی بہ) جو شخص اس نیت سے علم سیکھتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ علماء کے درمیان فخر و مباہات کرے یا نادان اور کم عقل افراد کے ساتھ مجادلہ کرے یا لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے تو اسے چاہیے کہ آتش (جہنم) کو اپنے کی جگہ قرار دے (یعنی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے) بیشک ریاست فقط اپنے اہل کے لیے صلاحیت رکھتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دینی مدارس کا تاریخی پس منظر

آپ جانتے ہیں کہ دین اسلام میں تعلیم اور تربیت اور لوگوں سے جہالت کو دور کرنا بے انتہا اہم ہے، جس کے شواہد قرآن واحادیث معصومینؑ میں متعدد مقامات پر ملتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انبیاءؑ اور خاص طور پر حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے اہداف عالیہ میں سے سرفہرست لوگوں کی تعلیم اور تربیت کو قرار دیا ہے۔

پیغمبر گرامی اسلام ﷺ کی تعلیم وتربیت پر عملی تاکید

خود پیغمبر گرامی اسلام ﷺ نے ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اسی مقصد کی تکمیل کے لیے بے حد کوشش کی اور تحصیل علم اور دوسروں کو تعلیم دینے کو واجبات اور فرائض میں سے قرار دیا۔ اور خاص طور پر رسول گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنگ بدر کے اسراء کے ساتھ عملی اقدام سے بھی تعلیم کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

ائمہ طاہرینؑ کی نظر میں تعلیم وتربیت کی اہمیت

الف : امیر المؤمنین حضرت علیؑ

مولائے متقیان امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی سیرت طیبہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تعلیم وتربیت میں بے انتہا کوشش کی اور افراد کی تربیت کی، یہاں تک کہ فرمایا: قیمة کل امرء ما یحسنه (ہر انسان کی ارزش اسکے علم کے اعتبار سے ہوتی ہے) ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں: (ستر ہزار عابد سے ایک عالم افضل ہے۔) اس کے علاوہ نہج البلاغہ

میں اول سے آخر تک تعلیم وتربیت کے متعلق بے شمار مطالب موجود ہیں۔اور آپ علیہ السلام کی عملی حیات طیبہ اس چیز کا زندہ ثبوت ہے۔

ب : حضرت امام حسنؑ وامام حسینؑ

اسی طرح تمام ناگوار حالات کے باوجود امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین علیہما السلام نے بھی تعلیم وتربیت کے پہلو کو بہت اہمیت دی اور اپنے بعد کے جانشینوں کو حکم دیا کہ ارشاد اور تعلیم کو اپنے مقصد حیات کا سرلوحہ قرار دیں۔

ج : حضرت امام زین العابدینؑ

تعلیم کی اسی عظمت اور افادیت کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ سیّد الساجدین زین العابدین علی بن الحسین علیہ السلام نے اس خطرناک دور میں اسلام کے تحفظ کا واحد ذریعہ اور تنہا وسیلے کے طور پر تعلیم وتربیت کو اہمیت دی، کیونکہ آپ کے زمانے میں (واقعہ کربلا کے بعد) ایک طرف سے بنی امیہ کی شرو عیت ختم ہوئی تو دوسری طرف جو لوگ قدرت کے خواہاں تھے انہوں نے حکومت واقتدار کے حصول کے لیے اپنے آپ کو میدان میں اتارا، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے دین اور احکام دین ایک کھلونہ اور بازیچہ بن کر رہ گئے، یہاں تک کہ مفہوم توحید بھی دھندلا ہو گیا۔

امام سجادؑ کا دینی مدرسے کی تاسیس میں کردار

ایسے حالات میں امام سجاد علیہ السلام نے مسلمانوں کو جہالت اور انحراف سے بچانے اور انسانیت کو ضلالت وگمراہی سے نکالنے کیلیےمتعدد طریقے اور وسیلے اپنائے؛ جن میں سے

ایک دعاؤں کا ذخیرہ دوسرا رسالہ حقوق کی تدوین اور تیسرا جو سب سے اہم ہے مدرسے کی بنیاد اور شاگردوں کی تربیت ہے۔ امام علیہ السلام نے محسوس کیا کہ قابل، مخلص، متدین تعلیم یافتہ افراد کے بغیر انسانی معاشرے کو جہالت اور نادانی کی تاریکی سے نکالنا اور احکام الٰہی کی نشر و اشاعت (نفاذ) ناممکن ہے، لہٰذا آپؑ نے مدرسے کی تاسیس کو اہمیت دی اور مختصر افراد سے درس و تدریس کا آغاز کیا۔

د: امام محمد باقرؑ اور امام صادقؑ

اور یہی مدرسہ آگے چل کر امام باقر اور امام صادق علیہما السلام کے زمانے میں ایک اسلامی یونیورسٹی کی شکل اختیار کرلیا، جس میں اسلامی اور الٰہی علوم کے علاوہ سائنس اور حکمت (فلسفہ) وغیرہ پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ جس کا مغربی محققین اور اسکالرز نے (Super man in Islam) نامی کتاب میں ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے، کہ تمام سائنسی علوم کا موجد اول اور بانی امام صادق علیہ السلام ہیں، اور یہی محققین تمام علوم میں اسلامی نظریہ اور تھیوری کا سہرا بھی آپ کے سر سجاتے ہیں۔

اس کتاب میں محققین کا نظریہ ہے کہ دنیا میں جتنے بھی ادیان آئے، مختصر عرصے کے بعد سارے ادیان انحراف کا شکار ہو گئے اور ان کی اصلی شکل باقی نہیں رہی، ان ادیان میں صرف دین مبین اسلام ہے جو اپنی اصلی حقیقی شکل (تشیع کی صورت) میں باقی ہے اور اسکی بقا کی بنیادی وجہ امام جعفر صادقؑ کی تعلیمات اور آپؑ کے شاگردوں کی تربیت ہے۔ امام صادقؑ نے اپنے شاگردوں کی اس انداز میں تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا کہ ان میں وسعت قلبی، تحمل اور دوسرے

مذاہب کے نظریات کو برداشت کرنے کا مادہ پیدا ہوا۔ جس کی وجہ سے آپ کے مکتب سے تعلق رکھنے والے افراد اور آپ کے تربیت یافتہ شاگرد تمام مذاہب کے نظریات کو تحمل کرتے ہوئے اپنے مذہب کی عقل و منطق کے ساتھ ترویج و نشر و اشاعت میں کوشاں رہے۔

امام صادقؑ کا باطل افکار کے سدِ باب کے لئے اقدام

امام صادق علیہ السلام کا دور بھی امام سجاد علیہ السلام کے زمانے کی طرح پُر آشوب اور نئے افکار اور عقائد کی یلغار کا زمانہ تھا، بنی عباس علم دوستی کے نام پر دنیا کے مختلف فرسودہ افکار اور باطل نظریات کی کتابوں کا ترجمہ کروا کر مسلمانوں میں رائج کرنے لگے تھے جس میں ہندو برہمن کے توہمات پر مبنی افکار، مجوسیوں کے غلط نظریات، یہودیوں کے اسرائیلیات پر مبنی عقائد و افکار، قدیم بت پرستوں کی توہم پرستی اور عیسائیوں کے خرافات سے پُر افکار و نظریات کو اسلامی تعلیمات و عقائد کے لبادے میں مسلم معاشرے میں پھیلائے جا رہے تھے۔ ان نئے افکار و نظریات نے مسلم معاشرے کو بے حد متاثر کیا۔ لہٰذا مختلف مسالک وجود میں آئے اور مسلکوں کے آپس کے جھگڑوں کے نتیجے میں نفرتیں پھیلیں اور خون کی ندیاں بہائی گئیں۔

اسلامی اخوت و بھائی چارگی اور اخلاقی اقدار جن کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا اور یوں فرمایا: "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ" (آل عمران،۱۶۴) (اللہ نے بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں انکی آیات پڑھ کے سناتا

ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔) اور "وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ "(سورہ قلم،۴) (اور بیشک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔) کو بھی ختم کردیا۔ اور آپ ﷺ نے بھی انہیں اخلاقی اقدار کے احیاء کے لیے بہت زحمتیں اٹھائیں جس کا بیان آپ کی اس حدیث سے ملتا ہے "ما اوذی نبی مثل ما اوذینی "اور اس قسم کی اہم اسلامی تعلیمات کا شیرازہ بکھر چکا تھا، ایسے حالات میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے مدرسہ علیہ کی تشکیل اور ہزاروں شاگردوں کی تربیت اس آیہ "نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون "کے مصداق بن گئے۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں امامؑ نے اس مدرسے اور شاگردوں کے ذریعے ایک طرف تمام باطل عقائد افکار اور نظریات کا مقابلہ کیا تو دوسری طرف مسلمانوں کو گمراہی اور اسلامی معاشرے کو نابودی سے بچایا، یہی نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے جائے دین کا زینہ فراہم کرکے تمام تعلیمات اسلامی اور اقدار کا ہمیشہ کیلئے بیمہ کردیا۔

امام صادقؑ کے تشکیل شدہ مدرسے کے اثرات

امام جعفر صادق علیہ السلام نے دنیا کے گوشہ وکنار سے آنے والے طالب علموں کو اپنے حلقہ درس میں قبول کرکے ان کی تعلیم وتربیت فرماتے تھے اور آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں مختلف شعبہ جات کے ہزاروں دانشور اور ماہرین پیدا ہوئے اور وہ مختلف علوم وفنون کو آپ سے سیکھ کر دنیا بھر میں ان کی نشرواشاعت میں مشغول ہوئے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں کی تالیف کی ہوئی کتابوں کی تعداد چار سو ہے جو "اصول اربعماۃ "کے نام

سے شیعوں میں معروف ہیں۔

اسی طرح باقی ائمہ علیہم السلام نے بھی آپ کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے معارف اسلامی کے نشر واشاعت کی راہ میں بنی عباس کے تحت اور شدید دباؤ کے باوجود بھی بہت سے دانشوروں کی پرورش وتربیت کی اور اسلام کے علمی خزانوں کو ان کے حوالے کیا۔جس کے نتیجے میں آج دنیا کے کونے کونے میں کروڑوں اہل حق موجود ہیں۔

دینی اقدار کے احیاء میں مدارس کا کردار

امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے "رَحِمَ اللّٰهُ امرءا احیا امرنا" (اللہ رحمت نازل کرے اس آدمی پر جو ہمارے امر کو زندہ کرے)، امامؑ اس حدیث میں امر ائمہؑ کے احیاء کرنے والوں کو دعا دے رہے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ احیاء امر ائمہؑ کیا ہے؟ معصومینؑ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ: ترویج دین، معصومینؑ کے فرامین اور ان کے ارشادات کو معاشرے میں عام کرنے کو احیاء امر ائمہؑ کہا جاتا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ ان کے امر کو احیاء کرنے کیلئے ایک دینی مدرسے کے قیام سے بہتر کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ دینی مدارس میں انہیں کے فرامین اور ارشادات سکھائے جاتے ہیں اور ان کو باقی اور زندہ رکھا جاتا ہے۔زمان غیبت سے لے کر آج تک امر ائمہ کا احیاء دینی تعلیم اور مدارس کی شکل میں انجام پاتا آیا ہے۔

آج کا دور بھی کسی حد تک امام سجاد اور امام صادق علیہما السلام کے زمانے سے مختلف نہیں ہے، ہر طرف استعمار کی طرف سے باطل افکار اور نظریات نئے اور خوبصورت لباس میں

مسلمانوں کے درمیان پھیلائے جا رہے ہیں، اور اسلامی اقدار کو پامال کر کے معاشرے کو دینی اقدار سے دور کیا جا رہا ہے، بلکہ بعض حلقوں میں تو دینی تعلیم اور مدارس کو ایک فرسودہ سوچ اور بیکار عمل سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ اکثر پڑھے لکھے مؤمنین بھی دینی تعلیم کو کوئی وقعت دینے کے لیے تیار نہیں، بلکہ مدارس بنانا اور دینی تعلیم حاصل کرنا وقت اور سرمایہ کا ضیاع تصور کرتے ہیں۔ نہ صرف اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے لیے مدارس میں بھیجنا عار سمجھتے ہیں بلکہ دینی تعلیم، مدارس اور طلاب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

لہٰذا اس دور میں بھی ایسے مجاہد، بے لوث اور اہل بیتؑ کی محبت سے سرشار افراد کی ضرورت ہے جو آگے بڑھیں اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے امر کو احیا کرنے کے لیے ان کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے اس کار خیر (دینی مدارس کے قیام اور انکی تقویت) میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ اس نفسا نفسی کے دور میں ایک شخصیت ایسی نظر آتی ہے جو محبت اہل بیتؑ سے سرشار اور اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اس عظیم ذمہ داری کو نبھانے میں مصروف نظر آتے ہیں، جس کو لوگ سید آل سیّدین جعفری کے نام سے جانتے ہیں۔ امام صادقؑ کے فرمان کے مطابق مرحوم سید آل سیّدین جعفری نے بھی احیاء امر امامؑ میں گرچہ قلیل ہی سہی، لیکن عملی قدم اٹھایا۔ یقیناً دعائے امام صادقؑ کی اس دعا "رَحِمَ اللّٰہُ امراء احیا اَمرَنا" میں آپ شامل ہیں اور جس کے حق میں معصوم کی دعا ہو اس سے زیادہ خوش نصیب انسان کوئی اور ہو سکتا ہے؟ اور اس کی نجات اخروی کے لئے یہی کافی ہے۔

جعفری مرحوم کی ترویج دین میں عملی اقدام

انہیں حالات اور زمانہ میں امام صادق علیہ السلام کے سلالہ طیبہ سے تعلق رکھنے

والے ایک سید جس کو سید آل سیدین جعفری کہا جاتا ہے، نے اپنے اجداد طاہرین کی سنت کو احیاء کرنے کا عزم کیا اور میدان میں آئے اور امام صادق علیہ السلام کی اس حدیث کے عملی مصداق قرار پائے کہ: "رحم اللہ امراً احیا امرنا" اس مردِ مومن نے اپنے ذاتی سرمایہ سے جو مخمس تھا (خمس ادا شدہ) مدرسے کے لیے زمین خریدی اور مدرسۃ المہدی کے نام سے بہت عالیشان عمارت بنوائی۔ گرچہ زمین کم تھی لیکن کم از کم برصغیر میں یہ عمارت اپنی مثال آپ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جعفری مرحوم کے اس عزم میں برکت ڈالی اور عالم تشیع کے لیے علم و عمل کا ایک مایہ ناز مرکز وجود میں آیا۔ آج تک یہ توفیق کسی بھی اہل خیر کو حاصل نہیں ہوئی جو اس مردِ الٰہی کو نصیب ہوئی، جبکہ آج کا زمانہ وہ دور ہے جس میں، لوگ نہ صرف اپنا سرمایہ دینی امور میں خرچ نہیں کرتے بلکہ بسا اوقات تو مالِ خدا اور مالِ امام کو بھی مختلف بہانوں سے ....

اس مدرسے کے بانی کی عظمت اور اخلاص کے بیان کے لیے یہی کافی ہے کہ اس مدرسے کی تعمیر میں نہ صرف لوگوں سے چندہ نہیں لیا گیا بلکہ مومنین کے عطیات بھی قبول نہیں کیے اور نہ ایک روپیہ مالِ امام اپنا یا کسی اور کا خرچ کیا بلکہ اپنے پاک، حلال اور مخمس مال سے مدرسہ بنوایا، اور ابھی تک مدرسے کی تعمیرات وغیرہ میں کسی مومن کا کوئی عطیہ قبول نہیں کیا بلکہ وہ اپنی مدد آپ کے تحت اپنے اصلی حلال مال سے اس مدرسے کی دیکھ بھال اور آرائش کرتے رہے۔ ان کے اخلاص کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب تک سینکڑوں طلاب اس مدرسے سے کسب فیض کر چکے ہیں اور آج تک یہ مدرسہ کسی کے چندے کے بغیر چل رہا ہے۔

علم کی روشنی پھیلانے میں مدارس کا مثبت کردار

دین اسلام نے حصولِ علم کے بارے میں جتنی اہمیت دی ہے اتنی اہمیت معاشرے

میں علم کی روشنی پھیلانے کے بارے میں بھی دی ہے۔ جیسے کہ امام صادق علیہ السلام کی حدیث میں یہ مطلب آیا ہے: عالم بنو یا طالب علم بنو یا اہل علم کو دوست رکھو اور چوتھے نہ بنو (یعنی دشمن اہل علم نہ بنو) کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی دشمنی کی وجہ سے ہلاک ہو جاؤ۔ یعنی اسلامی معاشرے میں انسان کو یا عالم ہونا چاہیئے یا طلب علم کے درپے ہو یا عالم دوست ہو اگر چوتھے گروہ سے تعلق رکھتا ہو تو یقیناً نقصان اٹھائے گا اس کا مطلب یہ ہوا کہ سماج میں کسی طور پر جہالت موجود نہ ہو ورنہ وہ معاشرہ سعادت و کمال کا راستہ طے نہیں کر سکتا۔ پس جو شخص بھی علم کی روشنی پھیلانے میں کوئی بھی قدم اٹھائے گا علم دوست شمار ہوگا اور ابدی سعادت سے ہمکنار ہوگا، یہاں سے مدارس علمیہ کی اہمیت اور تکاملِ معاشرہ کے حوالے سے اس کے مثبت اثرات سامنے آتے ہیں اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل، ترقی اور استحکام میں تعلیمی و تربیتی نظام کو کلیدی اہمیت حاصل ہونے کی وجہ سے مدارس کو ہمارے معاشرے میں نہ صرف اہمیت حاصل ہے بلکہ انہیں تقریباً ہر مکتبہ فکر کے درمیان نہایت قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا ہے۔

تاریخ تشیع میں معاشرہ سازی کے حوالے سے حوزات علمیہ (دینی علوم کے مراکز) کا ناقابل انکار کردار رہا ہے، نصف صدی قبل حوزہ علمیہ نجف اشرف عالم اسلام میں ایک بڑا علمی مرکز رہا ہے اور آج بھی لوگوں کی دینی و معاشرتی خدمات میں ہمیشہ پیش قدمی سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایران میں حضرت امام خمینیؒ کی قیادت میں اسلامی انقلاب کے بعد حوزہ علمیہ قم، پورے عالم تشیع میں دینی، علمی اور فکری مرکز کے طور پر خدمات انجام دے رہا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں علماء و فضلاء یہاں سے فیضیاب ہو کر دنیا کے مختلف ملکوں میں حقیقی دین

اسلام (جس کو امام خمینیؒ نے اسلام ناب سے تعبیر کیا تھا) لوگوں کو روشناس کرا رہے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں بھی اگر مدارس کے تاریخی پس منظر پر نظر دوڑائیں تو حقائق کے مطابق یہاں بھی مدارس معاشرے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ یہاں مدارس کی تعمیرات سے پہلے دینی علوم کے حصول کے لیے مساجد کو ہی استعمال میں لایا جاتا رہا، لیکن مدارس بننے کے بعد مساجد میں دینی علوم کے حصول کا تسلسل کم ہونے لگا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مدارس ہی دینی علوم کے لیے بہترین انتخاب بن گئے۔ مدارس کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی ان کی اہمیت میں تسلسل کے ساتھ اضافہ ہوتا رہا جو کہ تا حال برقرار دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ مدارس دینیہ میں تعلیم و تربیت کا محور دین ہے۔ خداشناسی، رسول شناسی اور انسان نوازی اس کے بنیادی مقاصد میں شامل ہیں تاکہ ایک عالمگیر فکر پیدا ہو سکے۔

اسلامی معاشروں میں تخریبی رجحانات کے انسداد، حلال و حرام اور سماجی و معاشی برائیوں کی نشاندہی، افراد معاشرہ کی تعلیم و تربیت اور کردار سازی، جدید سائنسی ترقی و ایجادات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے پیچیدہ سماجی و معاشی، انفرادی و اجتماعی مسائل و معاملات میں شریعت مطہرہ کی روشنی میں واضح رہنمائی مدارس دینیہ سے تعلق رکھنے والے علماء دین کے فرائض میں شامل ہے۔ جہالت و ناخواندگی کا خاتمہ اور سماجی و معاشرتی برائیوں سے پاک ایک عادلانہ اور منصفانہ معاشرہ کا قیام معیاری دینی تعلیم کے فطری نتائج و ثمرات ہیں۔

تعلیمات ائمہؑ اطہار کے احیاء میں علماء کا کردار

پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دینی مدارس کے بغیر اسلامی معاشرے کی

تشکیل اور دینی تہذیب وتمدن کا احیاء کسی طور بھی ممکن نہیں۔ایک جامع اور پاکیزہ اسلامی معاشرہ صرف اور صرف دینی مدارس کے زیرِ سایہ ہی تشکیل پاسکتا ہے۔اسلام دشمن طاقتوں نے دینی مدارس کی اہمیت اور طاقت کو بھانپتے ہوئے موجودہ صدی میں جہاد کی آڑ میں دینی مدارس کی پشت میں خنجر گھونپا اور دینِ اسلام کو دینی مدارس کے ذریعے ہی بدنام کرنے کی کوشش کی۔

بیسویں صدی کے عظیم فقیہ وحکومتِ اسلامی کے بانی حضرت امام خمینیؒ نے بہت خوبصورتی سے اس عظیم حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حوزہ ہائے علمیہ (مدارس) اور مجتہد اور وظیفہ شناس علماء، طول تاریخ میں انحرافات اور کج رویوں کے مقابلے میں اسلام وتشیع کا مضبوط قلعہ رہے ہیں۔اسلام کے بزرگ علماء تمام عمر کوشاں رہے کہ اللہ کی طرف سے حرام وحلال شدہ مسائل کی، کسی بھی مداخلت وتبدیلی کے بغیر ترویج کریں۔اگر محترم فقہاء نہ ہوتے تو نجانے آج کونسے علوم، علوم قرآن، اہلبیت واسلام کے نام پر دیئے جاتے۔

پس اسلامی تعلیمات کے تحفظ، ان کی ترویج اور دفاع میں مدارس دینیہ کا کردار ہر دور میں بنیادی رہا ہے۔یہ مدارس ہی کا مرہونِ منت ہے کہ آج دنیا کے ایک ارب سے زائد لوگ اسلام کو اپنا ضابطہ حیات سمجھتے ہیں۔دنیا کے گوشہ وکنار میں کروڑوں کی تعداد میں مساجد اور اسلامی مراکز آباد ہیں۔اسلامی تعلیمات کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانے میں مدارس دینیہ سے بڑھ کر کسی بھی ادارے یا نیٹ ورک کا نام نہیں لیا جاسکتا۔(ماخوذ از: پاکستان کے امامیہ دینی مدارس کا نظام تعلیم اور عصری تقاضے) علم وحکمت اور ظاہری وباطنی تزکیہ کے جواہر سے دامن بھرنے والے طلباء بڑے تربیت کاروں (Master Trainers) کی حیثیت رکھتے

ہیں اور وہی لوگ دور دراز بستیوں اور قبائل کی طرف تبلیغ دین اور فروغ علوم کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

اگر ہم ائمہ معصومینؑ کے بعد کی تاریخ کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے میں علماء دین (العلماء ورثة الانبیاء) کے تحت، انسانی معاشرے میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے فرائض انجام دیتے ہوئے اور معاشرے میں پیدا ہونے والے تمام برائیوں کے روک تھام کے لئے عملی جدّ و جہد کرتے رہے ہیں۔ اور یہ بات سب پر عیاں ہے کہ معاشرے کے مفید، کارآمد، ذمے دار اور دینی خدمات سے سرشار شخصیات دینی مدارس اور مراکز کے ہی پروردہ ہیں۔ اسی سے دینی مدارس کی اہمیت مزید اجاگر ہو جاتی ہے۔ پس جس قدر دینی مدارس کو تقویت ملے گی اس قدر وہ اپنے اہداف کے حصول میں کوشاں رہیں گے اور انتاہی معاشرے میں امر بہ معروف اور منکرات سے روک تھام کا زیادہ سے زیادہ زمینہ فراہم ہوگا۔ لہٰذا یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ معاشرے میں جو ثواب علم کی روشنی عام کرنے والے کو ملتا ہے اتنا ہی ثواب ان مراکز اور اداروں کی تاسیس کرنے والوں کو بھی میسر آتا ہے۔ اور اس طرح کے نیک اعمال انجام دینے کی توفیق انہی افراد کو حاصل ہوتی ہے جو علم دوستی اور معرفت اہلبیتؑ سے سرشار ہوں۔

انسان کے کچھ اعمال، صدقہ جاریہ شمار ہوتے ہیں جس کا کامل ترین اور بہترین مصداق دینی مدرسہ کا قیام ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "اَحسَنُ عَمَلاً" سے تعبیر کیا ہے۔ ہم یہاں صدقہ جاریہ کو آیات اور روایات کی روشنی میں بیان کریں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صدقہ جاریہ آیات اور روایات کی روشنی میں

تَبَارَکَ الَّذِی بِیَدِهِ الْمُلْکُ وَهُوَ عَلَی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیرٌ الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاةَ لِیَبْلُوَکُمْ أَیُّکُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیزُ الْغَفُورُ (سورہ ملک، آیات ۱،۲)

اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ مبارکہ "الملک" کی ابتداء میں اپنی عمومی بادشاہت اور قدرت کا اعلان کرنے کے بعد موت اور حیات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم نے موت اور حیات کو خلق کیا اس لیے تاکہ ہم انسانوں کو آزمائیں، کہ دنیا میں کون بہترین عمل انجام دیتا ہے۔ اگر اس آیہ مبارکہ کے فصاحت بھرے انداز بیان پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں کوئی بڑا عہدہ، منصب، شہرت یا زیادہ مال ودولت جمع کرنے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کا معیار عمل صالح کو قرار دیا ہے اور آیہ مبارکہ اپنے اس جملے "ایکم احسن عملاً" کے ذریعے اس مطلب کی طرف بھی اشارہ کررہی ہے کہ پروردگار کا انسان سے مطالبہ کثرتِ عمل کا نہیں ہے بلکہ حُسنِ عمل یعنی بہترین عمل کا مطالبہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر وہی لوگ پورا اترتے ہیں جو دنیا میں بہترین عمل انجام دیتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث وروایات میں بہت سارے اعمال کا ذکر ہوا ہے، جن میں سے کچھ ایسے اعمال ہیں جن کی افادیت محدود اور انجام دینے والے کی ذات کے ساتھ مختص ہوتی ہے اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جن میں وسعت پائی جاتی ہے اوران کی افادیت عمومی ہوتی

ہے اور کچھ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرائض ہیں جن کو انجام دینا ہر صورت میں ضروری ہوتا ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان سب میں سے بہترین اور احسن عمل کا مصداق کون سا عمل ہے، جس کی کسوٹی پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمانا چاہتا ہے۔ آیات اور روایات کی روشنی میں "سنت حسنہ یا صدقہ جاریہ" وہ عمل ہے جس کو احسن عملا کا درجہ حاصل ہے۔

سنت حسنہ یا صدقہ جاریہ کی تعریف

لغوی تعریف: صدقہ کا لفظ "صدق" سے لیا گیا ہے جس کی معنی سچائی اور راستگی ہے یعنی جہاں قول، فعل اور اعتقاد میں ہم آہنگی ہو وہاں صدق کا اطلاق ہوتا ہے، لہذا صدقہ جاریہ بھی اس عمل کو کہا جاتا ہے جس میں یہ تینوں عناصر موجود ہوں، یعنی انجام دینے والا یقین اور اعتقاد کامل اور سچے دل یعنی نیت خالص۔ کے ساتھ اس عمل کو انجام دے۔ اسی طرح لغت کی کتاب "لسان العرب" میں صدقہ کی تعریف یوں کی گئی ہے "الصدقه ما اعطیته فی ذات الله للفقراء" اس تعریف کی بنا پر صدقہ کسی خاص مورد کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ صدقہ کے لیے فقط ایک ہی شرط ہے کہ ہر وہ عمل جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے انجام دیا گیا ہو۔

تعریف اصطلاحی: علماء اخلاق "صدقہ جاریہ اور سنت حسنہ" کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "صدقہ جاریہ اور سنت حسنہ ہر اس نیک کام کو کہا جاتا ہے جس کی افادیت ہر جہت سے عمومی ہو" یعنی اس عمل کی افادیت نہ کسی شخصیت تک محدود ہو، نہ کسی زمانے میں اور نہ کسی مکان میں مقید ہو بلکہ ایسا نیک عمل جس کا فائدہ مسلسل اور سالہا سال تک جاری و ساری رہے۔

صدقہ جاریہ کی اہمیت قرآن کی نظر میں

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس سنت حسنہ یعنی صدقہ جاریہ کی طرف بنی نوع انسان کو متوجہ کیا ہے مثلاً سورہ مبارکہ "کہف" میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے "اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا" (کہف/۴۶) مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں اور وہ اعمال صالح جو قیامت تک باقی رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بہتر ہیں اور ان کا اجر اللہ کے ہاں بہترین اجر ہے۔ مفسرین اس آیہ مبارکہ میں (باقیات صالحات) قیامت تک باقی رہنے والے اعمال کو صدقہ جاریہ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اسی طرح سورہ مبارکہ یٰسین میں پروردگار عالم کا ارشاد ہوتا ہے: إنّا نحن نحی الموتی و نکتب ما قدموا و آثارھم ۔ (یٰسین، ۱۲) اس آیہ مبارکہ میں کلمہ "آثار" سے اکثر مفسرین نے صدقہ جاریہ مراد لی ہے ۔ یعنی ارشاد رب العزت ہے کہ ہم صدقہ جاریہ کو اپنے پاس مکتوب اور محفوظ کر لیتے ہیں ۔ اسی مطلب کی طرف سورہ مبارکہ مزمل میں ایک اور انداز سے اشارہ کیا گیا ہے "وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ھُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا" اور خدا کو نیک (اور خلوص نیت سے) قرض دیتے رہو ۔ اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو خدا کے ہاں بہتر اور صلے میں بزرگ تر پاؤ گے ۔ صرف یہی نہیں بلکہ صدقہ جاریہ کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتے ہوئے سورہ مبارکہ حدید میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗ اَجْرٌ کَرِیْمٌ (حدید، ۱۱) صدقہ جاریہ ہی وہ احسن عمل ہے

جس کا اجر و ثواب دوبرار کیا جائے گا۔

قرآن مجید کی ان آیات اور اس جیسی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں صدقہ جاریہ بہت زیادہ اہمیت اور ارزش کا حامل ہے، کیونکہ خالق عالم امکان نے، جو ہر چیز سے بے نیاز ہے، انسان کے اس عمل (صدقہ جاریہ) کو باقیات صالحات کا درجہ دیتے ہوئے اپنے اوپر قرض الحسنہ قرار دیا اور فرمایا کہ صدقہ جاریہ وہ اثر ماندگار ہے جس کی وجہ سے مرنے والے کا نامہ اعمال بند نہیں ہوتا۔

صدقہ جاریہ کی اہمیت روایات کی روشنی میں

اگر ائمہ معصومین علیہم السلام کی حیات طیبہ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بخوبی معلوم ہوگا کہ ائمہ معصومینؑ نے صدقہ جاریہ جیسی سنت حسنہ کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور اس ضمن میں کثیر تعداد میں احادیث اور روایات ملتی ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:" من سن سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها إلى يوم القيامة من غير ان ينقص من اجورهم شيئاً "(بحار الانوار، ج ۱۰۰، ص ۲۳) جو بھی اپنی زندگی میں سنت حسنہ (صدقہ جاریہ) انجام دیتا ہے اس کا اجر و ثواب تو اس کو ملتا ہی ہے، لیکن قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں بھی وہ برابر کا شریک ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ "إِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلا مِنْ ثَلاثٍ :صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ"

(بحار الانوار، ج ۲، ص ۲۲، ج ۸۸، ص ۳۰۵) جب مومن کی موت واقع ہوتی ہے تو اس کے عمل کا دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر تین کام ایسے ہیں جن سے اس کا اعمال نامہ کھلا رہتا ہے۔ ا۔ صدقہ جاریہ ۲۔ علمی آثار جس سے دوسرے فائدہ اٹھائیں، ۳۔ صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔ ان دو احادیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ جاریہ کو ان اعمال میں سرفہرست رکھا ہے جن کی وجہ سے مومن، روح قبض ہونے کے باوجود نہیں مرتا بلکہ زندہ رہتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: لیس یتبع الرجل بعد موته من الأجر إلا ثلاث خصال - صدقة أجراها في حياته - فهي تجري بعد موته إلى يوم القيامة - صدقة موقوفة لا تورث - أو سنة هدى سنها فكان يعمل بها - و عمل من بعده غيره - أو ولد صالح يستغفر له (کافی ج ۷، ص ۵۹)

انسان کی موت کے بعد اس کے اعمال کی کتاب بند ہو جاتی ہے، اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی، لیکن تین طریقوں سے اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ (۱) وہ اپنی طرف سے صدقہ جاریہ بطور یادگار چھوڑ گیا ہو، جو وراثت کا حصہ نہ بنیا ور جس کے آثار اس کے مرنے کے بعد قیامت تک جاری رہیں، (۲) ہدایت کرنے والی سنت جسے وہ وجود میں لایا ہے اور اس کی موت کے بعد اس پر عمل ہو رہا ہے (۳) وہ نیک اور صالح بیٹا جو اس کے لئے استغفار کرتا رہے۔

اسی طرح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام صدقہ جاریہ کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انّ للہ یوم القیامۃ تحت عرشہ ظلاً لا تسکنہ الاّ من اسدی الی اخیہ برّا او نفّس عنہ کربۃ او ادخل فی قلبہ سرورا۔ (بحار الانوار ۴۸/۱۷۳)

(قیامت کی کشمکش کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عرش کے نیچے ایک سایہ ہوگا جس کے نیچے صرف انہی افراد کو ٹھہرایا جائے گا جنہوں نے دنیا میں ان تین کاموں میں سے کوئی ایک انجام دیا ہو: ۱۔جس نے اپنے مومن بھائی کے ساتھ نیکی کی ہو، ۲۔کسی مومن کی مشکل کو حل کیا ہو، ۳۔کسی مومن کو خوش کیا ہو۔)

امام موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام اس حدیث مبارکہ میں فرماتے ہیں: قیامت کے دن عرصہ محشر میں ہر انسان نفسا نفسی کے عالم میں ہوگا اور شدت گرمی کی وجہ سے سائے کی تلاش میں سرگردان ہوگا، اس حالت کی منظر کشی کرتے ہوئے امامؑ فرماتے ہیں کہ اس حالت میں عرش الٰہی کے علاوہ کہیں پر بھی سایہ نہیں ہوگا، جبکہ ہر انسان سائے کی تلاش میں ہوگا۔ اس ہولناک موقع پر صرف تین قسم کے خوش نصیب لوگ ہونگے جو عرش الٰہی کے سائے تلے پُرسکون حالت میں ہونگے۔ :جس نے اپنے مومن بھائی کے ساتھ نیکی کی ہو، : کسی مومن کی مشکل کو حل کیا ہو، :کسی مومن کو خوش کیا ہو۔

جو شخص دنیا میں صدقہ جاریہ جیسا نیک اور احسن عمل انجام دیتا ہے مثلاً مسجد، ہسپتال بناتا ہے یا ائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت عملی کی پیروی کرتے ہوئے معاشرے میں دینی علوم کو عام کرنے کے لیے دینی مدرسے کی بنیاد ڈالتا ہے اور اس کو تقویت دیتا ہے وہ یقیناً اس حدیث مبارکہ میں بیان کیے گئے تینوں موارد کا مصداق بن جاتا ہے، کیوں کہ دینی علوم کے نور سے

معاشرے کو منوّر کرنے کا زمینہ فراہم کر کے یقیناً اس نے انسانیت کے ساتھ بہت بڑی نیکی کی ہے اور مومنین کی علمی مشکلات بھی حل کی ہیں اور علوم آل محمد کو معاشرے میں عام کر کے مومنین کی دلوں کو بھی شاد کیا ہے، لہٰذا قیامت کے کشمکش کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عرش کے نیچے سایہ الٰہی صرف اور صرف اسی شخص کو نصیب ہوگا۔

ان احادیث اور روایات میں صدقہ جاریہ کی اہمیت اور ارزش کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس دنیا سے رخصت ہونے اور مرحلہ عمل سے گذر کر مرحلہ حساب و کتاب میں داخل ہونے کے بعد انسان کو سب سے زیادہ اعمال صالح کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اکثر لوگ عمل کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اضطراب اور پریشانی میں مبتلا ہونگے، لیکن اس پریشانی اور اضطراب کے عالم میں ان افراد کی پیشانیوں پر اطمینان اور خوشی کے آثار نظر آئینگے جو اس دنیا میں ایسا کام کر گئے ہیں، ایک ایسی سنت حسنہ اور صدقہ جاریہ کی بنیاد رکھ کر گئے ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ان کے اعمال کا دروازہ بند نہیں ہوتا بلکہ اسکے نیک اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا، یہاں تک کہ اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور جنت کے دروازے اس پر کھول دیے جائیں گے۔

صدقہ جاریہ کے انسان کی زندگی پر آثار

انسان اس دنیا میں جو بھی نیک عمل انجام دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق انسان کو اس عمل کی پاداش اور اجر و ثواب اخروی یقیناً عطا کرتا ہے، لیکن قرآن مجید کی متعدد آیات اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی روایات اور فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان کوئی احسن عمل انجام دیتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اخروی اجر و ثواب کے علاوہ اس کی

دنیوی زندگی پر بھی اس نیک عمل کے اثرات مترتب ہوتے ہیں۔ ہم اس نوشتار کے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ان میں سے بعض کو یہاں ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ جان اور مال کی طہارت

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ صدقہ جاریہ کے انسان کی دنیوی زندگی پر مترتب ہونے والے اثرات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صدقہ جاریہ انسان کی جان ومال کی طہارت اور تزکیہ نفس کا باعث بنتا ہے: "خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها" (توبہ ۱۰۳)۔

۲۔ نفسیاتی اطمینان اور سکون

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں صدقہ جاریہ کے انسان کی نفسیات پر مترتب ہونے والے اثرات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اَلَّذِينَ يُنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُونَ" (سورہ بقرہ: ۲۷۴) وہ لوگ جو اپنا مال دن میں اور رات میں، مخفیانہ اور ظاہراً اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کا اجر اللہ کے پاس ہے اور (دنیا میں) نہ ان کو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ کوئی غم وحزن۔ اگرچہ یہ آیہ مبارکہ مولائے متقیان علی علیہ السلام کے شان میں نازل ہوئی ہے، لیکن اپنی عمومیت کی وجہ سے کسی خاص مورد کے ساتھ مختص نہیں ہے، بلکہ ہر اس مورد کو شامل ہے جس میں یہ شرط موجود ہو کہ انسان اپنا مال خالصتاً اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے اور ہم نے صدقہ جاریہ کی تعریف میں ذکر کیا ہے کہ صدقہ جاریہ کہتے ہی اس انفاق کو ہیں جس کی افادیت

عموی اور خالصتاً پروردگار کی خوشنودی اور رضایت حاصل کرنے کے لیے انجام دیا گیا ہو۔ لہٰذا اس آیہ مبارکہ کی روشنی میں صدقہ جاریہ کا انسان کی زندگی پر نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات پر ہمیشہ خوش اور مطمئن رہتا ہے کہ قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ سے اس عمل کے بدلے بہت بڑا اجر پانے والا ہے۔ لہٰذا اس کو دنیا کے کسی بھی قسم کے احتمالی ضرر اور نقصان کا کوئی خوف اور اندیشہ یا پریشانی نہیں ہوتی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔ (توبہ، ۱۲۰) اللہ تعالیٰ نیک کام انجام دینے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

۳۔ صدقہ جاریہ کے فوائد

قرآنی نقطہ نگاہ سے جو شخص دنیا میں صدقہ جاریہ انجام دیتا ہے وہ نہ صرف اپنے قیمتی سرمایہ یا وقت کا ضیاع نہیں کرتا بلکہ حقیقت میں دیکھا جائے تو اس نیک عمل کا سب سے بڑا فائدہ خود اسی کو پہنچتا ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے: "لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُونَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (سورہ بقرہ، ۲۷۲) آپ کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ ان کو (جبرا) ہدایت دیں، بلکہ خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور تم جو بھی مال خرچ کرو گے اس کا فائدہ تم ہی کو ہے اور تم صرف اللہ کی خوشنودی کیلیے خرچ کرو گے اور جو مال تم خرچ کرو گے اسکا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

یہ آیہ مبارکہ اسی بات کو سمجھا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں انفاق اور صدقہ جاریہ کا سب

سے بڑا فائدہ انجام دینے والے تک پہنچتا ہے۔

۴۔ رزق میں برکت

صدقہ جاریہ انجام دینے والے کی دنیوی زندگی پر مترتب ہونے والے آثار میں سے ایک یہ ہے کہ جو صدقہ جاریہ جیسا نیک عمل انجام دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے رزق حلال میں برکت عطا کرتا ہے یعنی پروردگار اس کے رزق میں وسعت کیا ایسے اسباب پیدا کرتا ہے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتے، اسی مطلب کی طرف حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ اشارہ کرتی ہے:"استنزلوا الرزق بالصدقہ "صدقہ جاریہ جیسا نیک عمل انجام دیکر اپنے رزق میں وسعت کے اسباب فراہم کرو۔

ایک اہم مطلب

یہاں پر ایک اہم مطلب کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بے عیب کلام میں جب بھی صدقہ اور انفاق کا ذکر کیا تو فرمایا: انسان جب اپنے ذاتی سرمایہ کو خالصتاً اپنے پروردگار کی رضایت اور خوشنودی کے لیے خرچ کرتا ہے، اسی کو صدقہ اور انفاق کہا جاتا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں جو تعبیر استعمال ہوئی ہے وہ "اَلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ " ہے یعنی جو لوگ اپنے ذاتی سرمایہ سے خرچ کرتے ہیں، لہٰذا جو مومنین مال امام وغیرہ، جو انسان کا اپنا مال نہیں ہوتا بلکہ مال خدا اور مال امام ہوتا ہے، سے مراجع کی اجازت سے انفاق یا صدقہ جاریہ انجام دیتے ہیں وہ بھی اپنی جگہ ارزش اور اجر وثواب کا حامل ہے لیکن ہم اس صدقہ جاریہ کی بات کر رہے ہیں جو احسن عمل اور اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا معیار ہے اور وہ وہی ہے جو انسان

اپنے ذاتی سرمایہ یعنی خمس مال سے انجام دیتا ہے۔ اسی اہم مطلب کی طرف قرآن مجید نے متعدد مقامات میں اشارہ کیا، مثلاً سورہ مبارکہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے "مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ ......(بقرہ ۲۶۱) اور اسی سورہ میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں: " الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ ...... "(سورہ بقرہ ۲۷۴) لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (سورہ آل عمران ۹۲)

صدقہ جاریہ کے مصادیق

اسلامی تعلیمات میں صدقہ جاریہ کے بہت سارے مصادیق ذکر ہوئے ہیں ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے: مثلاً کنواں کھودنا، راستے میں پانی کا بندوبست کرنا، ہسپتال، یتیم خانہ بنانا، مسجد بنانا، راستے میں درخت لگانا، وغیرہ لیکن اگر آیات اور روایات کی روشنی میں دیکھا جائے تو صدقہ جاریہ کا کامل ترین اور بہترین مصداق "وقف شرعی" ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وقف کی اہمیت اور افادیت

مقدمہ

انسان جس دین، مکتب یا آئین سے تعلق رکھتا ہو، اس کا فطرتی تقاضا یہ ہے کہ وہ خود، اس کا نام اور اس سے تعلق رکھنے والے اموال جاویدان اور ہمیشہ باقی رہے۔ اور دوسری طرف تمام بشریت اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ وہ جسمانی (Physically) طور پر ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے، پس ان دو حقیقتوں کی روشنی میں عاقل انسان ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ اس کا نام اور اس کے اموال اور اس کے منافع اس کو ہمیشہ ملتا رہے۔ اس ہدف کے حصول کا واحد اور بہترین ذریعہ "وقف" ہے۔ انسان اپنی زندگی میں نہایت تگ و دو اور خون پسینہ کر کے اموال جمع کرتا ہے اور اس کے تحفظ اور نگہداری میں کبھی اپنی جان کی بازی بھی ہار جاتا ہے، اس کی موت کے بعد اس کے رشتہ دار یا اولاد ان اموال کی بانٹ اور تقسیم کر کے اپنے لئے سرمایہ حیات قرار دیتے ہیں یا کسی کے مصرف میں آئے بغیر یہ اموال بغیر کسی مقصد یا فائدے کے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس حیرانگی اور مال کے ضائع ہونے سے بچنے کے لئے انسان سوچ و بچار کرتا ہے۔ تاریخی شواہد کے مطابق انسان کے لئے اپنی جاویدانگی اور ہمیشگی کے لئے ایک منطقی اور عقلی راہ حل "وقف" کے علاوہ دوسری اور کوئی راہ میسر نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ دین مبین اسلام نے بھی انسان کی بقاء، بشر دوستی، بھلائی اور نیک مقاصد کے حصول کے لئے بہترین راہ "وقف" قرار دیا۔ اسی لئے وقف کا یہ نیک عمل، ایمان و خلوص سے سرشار انسانوں کا

وطیرہ رہا ہے۔ وہ انسانیت کی بھلائی، معاشرے کے تمام افراد کے ساتھ تعاون اور دینی و مذہبی امور کی ترقی و پیشرفت کے خاطر اپنے محبوب اور پسندیدہ اموال میں سے اللہ کی راہ میں ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وقف کرکے ہمیشہ کے لئے اس کے ثواب کا مستحق قرار پاتے ہیں۔

ہم یہاں پر معاشرے میں وقف کی ترویج کے خاطر اس کے کچھ اہم مباحث بیان کرتے ہیں۔

وقف کا لغوی معنی: وقف لغت میں کھڑا ہونے، ساکن اور روکنے کے معانی میں ہے۔

وقف کا اصطلاحی معنی: فقہی اصطلاح میں وقف کی تعریف یہ ہے" :حَبسُ مَا یَملِکُ" یعنی جو چیز انسان کی ملکیت میں ہو، اسے روکے رکھنا اور اسے بیچنے یا بخشش کرنے کے راستے سے دوسروں کو منتقل ہونے سے منع کرنا ہے۔ اور اس کے مقابل میں اس سے حاصل ہونے والے منافع اور فوائد کو خداوند متعال کے راستے میں لگا دینا ہے جو حقیقت میں وہی لوگوں کی خدمت، لوگوں کی مشکلات حل کرنا اور ان کے معاشرتی ثقافتی حالات کو بہتر بنانا ہے۔

شیخ طوسی کتاب "المبسوط" میں وقف کی یوں تعریف فرماتے ہیں:

" فالوقف تحبیس الاصل و تسبیل المنفعة" یعنی اصلی ملک کو روکے رکھنا اور اس کی منفعت و فائدہ کو جاری رکھنا "وقف" کہلاتا ہے۔

تحبیس کی اصل "حبس" یعنی قیدی بنانا، قید میں لے آنا۔ اور کسی چیز کی آزادی کو لے

لینا (سلب کرلینا) ہے، کیونکہ ملک کے وقف ہو جانے سے اس کی نقل و انتقال کی آزادی اس سے لے لی جاتی ہے۔ لہذا یہ عمل وقف کہلائے گا۔

پس کسی بھی چیز کی اصل کو روک کر رکھنے اور اس میں ہبہ یا وراثت کے تصرف نہ کرنے بلکہ کسی بھی قسم کا تصرف نہ کرنے کو وقف کہا جاتا ہے تاکہ اس چیز کے نفع کو وقف کرنے والے (چاہے واقف زندہ یا فوت ہو گیا ہو) کے ارادہ کے مطابق خیر و بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جا سکے۔

فقہاء نے وقف کو صدقات کے باب میں ذکر کیا ہے اور اسے ایک قسم کا صدقہ شمار کیا ہے۔ فقہی کتب میں اقتصاد اسلامی سے مربوط بحثوں میں "وقف، اس کی اقسام اور شرائط" کے بارے میں مطالب ذکر ہوئے ہیں اور اس کے احکام و قواعد کی وضاحت دی گئی ہے۔

قرآن کی نظر میں وقف کی اہمیت اور ثواب

قرآنی نگاہ میں وقف کرنے میں انسان اپنی جاویدانگی حاصل نہیں کرتا بلکہ اس نیک اور باخلوص عمل کے ذریعے سے ناداروں اور ضرورت مندوں کی مدد کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کرتا ہے۔

قرآن مجید میں وقف کا لفظ تو صریحاً نہیں آیا لیکن اس کے لئے صدقہ، خیر، نیکی، قرض الحسنہ، تعاون، عمل صالح، باقیات الصالحات، ایثار، انفاق اور احسان جیسے الفاظ قرآن میں مختلف مقامات پر آئے ہیں۔ البتہ مذکور تمام عناوین ایک لحاظ سے وقف کہلا سکتے ہیں کیونکہ

وقف صدقہ ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی نیکی، ایثار، تعاون، خیر، انفاق، باقیات الصالحات بھی ہے۔ دوسری طرف قرآن نے انسانوں کو مال کی حد سے زیادہ جمع آوری، تکاثر مال، مال دولت کو معیار برتری قرار دیکر ایک دوسرے پر فخر کرنے، تکبر کرنے، طغیان گری، کسب حرام کی راہ سے مال کی جمع آوری کرنے سے منع کیا ہے۔ اس سے بھی وقف کی اہمیت اور اس کی افادیت واضح ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید میں وقف کے بدلے میں بے شمار ثواب کے بیان کے علاوہ اس کے انفرادی اور اجتماعی آثار بھی بیان ہوئے ہیں:۔

۱: چنانکہ سورہ بقرہ میں آیا ہے: مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ. "جو لوگ راہِ خدا میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں ان کے عمل کی مثال اس دانہ کی ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوں اور پھر ہر بالی میں سو سو دانے ہوں اور خدا جس کے لئے چاہتا ہے اضافہ بھی کر دیتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور علیم و دانا بھی۔"

۲: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (سورہ بقرہ/148)۔ اب تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو اور تم سب جہاں بھی رہو گے خدا ایک دن سب کو جمع کر دے گا کہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔

۳: يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

وَالْیَتَامٰی وَ الْمَسَاکِینِ وَ ابْنِ السَّبِیلِ وَ مَا تَفْعَلُوا مِنْ خَیرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیمٌ. (سورہ بقرہ/215)۔ پیغمبر یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ جو بھی خرچ کرو گے وہ تمہارے والدین، قرابت داروں، ایتام، مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے لئے ہوگا اور تم میں جو بھی کار خیر کرو گے خدا اسے خوب جانتا ہے۔

۴: وَ الَّذِینَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَ الْمَحْرُومِ، وَ الَّذِینَ یُصَدِّقُونَ بِیَوْمِ الدِّینِ، وَالَّذِینَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ. (سورہ معارج 27-24) اور جن کے اموال میں ایک مقررہ حق معین ہے، مانگنے والے کے لئے اور نہ مانگنے والے کے لئے، اور جو لوگ روز قیامت کی تصدیق کرنے والے ہیں، اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔

۵: وَ تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی وَ لَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِیدُ الْعِقَابِ. (سورہ مائدہ/2) نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور تعدی پر آپس میں تعاون نہ کرنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا کہ اس کا عذاب بہت سخت ہے۔

۶: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِینَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَ أَجْرٌ عَظِیمٌ (سورہ مائدہ/9) اللہ نے صاحبان ایمان اور عمل صالح والوں سے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

۷: لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ، وَمَا تُنفِقُوا مِن شَیْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ

عَلِیمٌ؛ (سورہ آل عمران ۹۲/) تم نیکی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے راہِ خدا میں انفاق نہ کرو اور جو کچھ بھی انفاق کرو گے خدا اس سے بالکل باخبر ہے۔

۸: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَالِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (سورہ نور ۵۵/) اللہ نے تم میں سے صاحبانِ ایمان و عمل صالح سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں روئے زمین میں اسی طرح اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح پہلے والوں کو بنایا ہے اور ان کے لئے اس دین کو غالب بنائے گا جسے ان کے لئے پسندیدہ قرار دیا ہے اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کر دے گا کہ وہ سب صرف میری عبادت کریں گے اور کسی طرح کا شرک نہ کریں گے اور اس کے بعد بھی کوئی کافر ہو جائے تو درحقیقت وہی لوگ فاسق اور بدکردار ہیں۔

۹: اَلْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا؛ (سورہ کہف ۴۶/) مال اور اولاد زندگانی دنیا کی زینت ہیں اور باقی رہ جانے والی نیکیاں پروردگار کے نزدیک ثواب اور امید دونوں کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

اس آیہ کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ یہاں اس آیت میں "باقیات صالحات" سے مراد چاہے اعمال صالح ہوں یا جو بھی نیک عمل مراد ہو، وقف ان باقیات صالحات کے

مصادیق میں سے ہے۔ کیونکہ ائمہ کی فرمائشات اور عملی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل صالح کا مکمل مصداق وقف ہے بالخصوص ان روایات کے مطابق جن میں وقف کو قیامت کے دن نجات کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

۱۰: وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ، (سورہ مزمل/20)

اور اللہ کو قرض حسنہ دو اور پھر جو کچھ بھی اپنے نفس کے واسطے نیکی پیشگی بھیج دو گے اسے خدا کی بارگاہ میں حاضر پاؤ گے، بہتر اور اجر کے اعتبار سے عظیم تر۔ اور اللہ سے استغفار کرو کہ وہ بہت زیادہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اس آیہ میں بھی " خیر " اور " قرض حسنہ " سے مراد وقف ہے کیونکہ خیر یعنی ہر اچھا کام اور واضح ہے کہ وقف سے اچھا کام اور کوئی نہیں اسی طرح قرض حسنہ بھی وقف کے مصادیق میں سے ہیں۔ (علامہ طباطبائی، تفسیر المیزان)

وقف کی اہمیت روایات کی روشنی میں

کتب احادیث کی بہت سی روایات میں وقف کو صدقے سے تعبیر کیا ہے، اس کے علاوہ شیعہ اخلاقی کتب میں بھی وقف کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ مذہب شیعہ کی بہت ہی گراں قدر فقہی حدیث کی کتاب "وسائل الشیعہ "میں وقف کے لئے ایک مخصوص باب قرار دیا گیا ہے اور اس میں ائمہ کی بہت سی روایتوں کو ذکر کیا گیا ہے۔ (جواہر جدید، ج 28، ص 3)

۱: قال رسول الله ﷺ: ان مما یلحق المؤمن من عمله و حسناته بعد موته علما نشره و ولدا صالحا ترکه، و مصحفا ورثه او مسجدا بناه، او بیتا لابن السبیل بناه او نهرا اجراه، او صدقة اخرجها من ماله فی صحته و حیاته و تلحقه من بعد موته. (نہج الفصاحۃ، ص 183 ح 906.)

پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: انسان کے اس دنیا سے رحلت کرنے کے بعد بھی چند چیزوں کا ثواب اس کو ملتا رہے گا۔

۱: لوگوں میں علم کی روشنی پھیلا کر جائے، ۲: نیک اولاد کی پرورش کر جائے، ۳: قرآن کو وارث چھوڑ کر جائے، ۴: مسجد بنائے، ۵: بے پناہ مسافروں کے لئے رہائش کا انتظام کرے، ۶: پانی کا نہر بنائے اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کرے، ۷۔ اپنی زندگی میں اپنے ہی مال سے میں کوئی صدقہ اللہ کی راہ میں دیکر دنیا سے رخصت ہو جائے۔

۲: ایک اور روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی راستے میں مسافرین کے لئے پناہ گاہ بنائے، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ایسی سواری پر سوار کرے گا جس کو گوہر سے سجایا گیا ہوگا اور اس کے چہرے کا نور سب نور پر نمایاں ہوگا، یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ کے نور کے برابر میں قرار پائے گا، اس وقت لوگ سوال کریں گے کیا یہ کوئی فرشتہ ہے کہ اس قدر نور افشانی کر رہا ہے؟ ہم نے کبھی اس طرح کے نور نہیں دیکھا تھا، اور اس کی شفاعت سے ہزاروں انسان بہشت میں داخل ہو نگے۔ (وسائل الشیعہ، ج 11، ح ۱۔)

۳:قال امیر المومنین علیؑ: ابتغاء وجه الله لیولجنی الله به الجنة و یصرفنی عن النار و یصرف النار عن وجهی یوم تبیض وجوه و تسود وجوه ۔ایک وقف نامے میں آپ نے وقف کرنے کے انگیزے کو یوں بیان کیا ہے:

میں نے صرف اللہ کی خوشنودی کے خاطر وقف کیا ہے تا کہ اس کے سبب سے اللہ تعالی مجھے بہشت نصیب کرے اور آتش جہنم سے مجھے دور رکھے، اور آتش کو بھی مجھ سے دور رکھے جس دن بعض لوگ روسفید ہونگے اور بعض لوگ روسیاہ۔

۴:مہران ابن محمد نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے:امام صادقؑ نے اپنے آخری ایام میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:میری رحلت کے بعد ایام حج میں سات سال تک میرے لئے عزاداری کا اہتمام کیا جائے۔اور امامؑ نے ہر سال کے لئے کچھ مال وقف کیا تا کہ اس سے خرچ کیا جائے۔

۵:حضرت صاحب العصرؑ سے چند سوالات کئے گئے ان میں سے ایک وقف کے بارے میں تھا۔امامؑ نے جواب میں فرمایا:اگر کسی نے کوئی مال ہمارے لئے وقف یا ہمارے لئے قرار دیا اسکے بعد وہ خود اس کی طرف محتاج ہو جائے تو اس صورت میں جو چیز ابھی تک ہماری تحویل میں نہیں دی ہو وہ واپس کر سکتا ہے لیکن اگر وہ مال تحویل میں دیا ہو تو اس کو دوبارہ واپس نہیں لے سکتے۔چاہے اسکو ضرورت ہو یا نہ۔اس سے معلوم ہوا کہ وقف فقہی نگاہ میں ایک عقد لازم ہے یعنی انسان اس میں رجوع کر کے اپنا مال واپس نہیں لے سکتا۔

۶: راوی کہتا ہے میں نے امامؑ سے سوال کیا: میں نے اپنی زمین کے نزدیک کچھ زمین خریدی، بعد میں تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ خریدی گئی زمین وقف کی زمین تھی، اس میں میری ذمہ داری کیا ہے؟ امامؑ نے جواب میں فرمایا: وقف کی ہوئی چیز کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ اور اس سے حاصل شدہ منافع کا بھی تم مالک نہیں بن سکتے ہو۔ لہذا اس زمین کو صاحب وقف کو واپس کر لیں۔ روای نے کہا، میں صاحب وقف (موقوف علیہ) کو نہیں جانتا، امامؑ نے فرمایا: اس کے منافع کو صدقہ میں دیں۔ (کتاب کافی، باب وقف)

سیرت عملی معصومینؑ اور وقف

معصومینؑ کی زندگی میں اخلاقی اوصاف حمیدہ میں سے، سخاوت اور جود و کرم کا عنصر ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ اخلاقی اصولوں میں سے ایک چیز جو معصومین علیہم السلام کی حیات مبارکہ میں بڑی کثرت سے نظر آتی ہے۔ انکی سخاوت اور جود و بخشش ہے۔ اپنی زندگی میں ان کا ہاتھ بڑا کھلا تھا اور وہ بیواؤں اور ضرورتمندوں اور محتاجوں کی دل کھول کر امداد کرتے اور اپنی اسی کرم نوازی سے انہوں نے بہت سے لوگوں کی زندگی کو سروسامان بخشا۔

انہی بزرگان دین اور الٰہی انسانوں کی ایک بہترین روش اور سنت حسنہ، ان کی عملی زندگی میں بہترین امور کی انجام دہی رہا ہے، انہی امور میں سے ایک "وقف" ہے جو ان کے جود و سخا کے اظہار کا نمایاں ترین باب ہے۔ رہبران الٰہی اپنے پیروکاروں کو گفتاری راہنمائی کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں بھی بہترین روش اور طریق کار کو اپناتے ہوئے عملی میدان میں ہر نیک عمل کے انجام دینے میں ہمیشہ دوسروں پر سبقت لیتے تھے۔ وقف بھی انہی بہترین کاموں

میں سے ایک ہے۔ لہٰذا وقف انجام دینے والا انسان معصومینؑ کی مکمل پیروی کرنے والا ہوگا۔

۱: پیامبر اسلام ﷺ کی سیرت میں وقف

پیامبر گرامی اسلام ﷺ اور ائمہ ھدیٰؑ کے فرمان جس طرح وقف کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ اور دیگر معصومین کی عملی زندگی بھی ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے جیسے کی تاریخی حقائق کے مطابق آپ ﷺ نے متعدد موقوفات چھوڑے ہیں جو کہ "صدقات رسول" کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

الف: آپ ﷺ نے اپنی زمین کا ایک بڑا حصہ مسافرین کے لئے صدقہ اور وقف قرار دی۔

ب: قبا" میں آپ ﷺ نے "بویرہ" نامی ایک پورے نخلستان کو نادار اور بے سہارا لوگوں کے لئے وقف کیا۔

ج: منقول ہے کہ سرزمین خیبر میں آپ ﷺ کے کچھ موقوفات تھے جن کی آمدنی سے آپ ﷺ مہمانوں کی تواضع فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی شیعہ و سنی تاریخی کتب میں موقوفات حضرت رسول خدا ﷺ کے تذکرے ملتے ہیں۔

۲: سیرت امام علیؑ میں وقف

سیرت امام علیؑ بھی سیرت رسول ﷺ کے مانند تمام بشریت کے لئے بہترین نمونہ عمل ہے آپؑ کی حیات طیبہ کی عملی زندگی میں بھی وقف کی اہمیت واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے۔ تاریخ کی گواہی کے مطابق آپؑ نے بہت سے موقوفات راہ خدا میں وقف کئے ہیں جب کہ آپؑ خود نان جو پر گزارہ کرتے تھے۔ اس کے چند نمونے یہاں ذکر کرتے ہیں۔

الف: ایک مقام پر آپؑ نے فرمایا: اگر میرے موقوفات کو بنی ہاشم میں تقسیم کیا جائے تو سب کے لئے کافی ہونگے، یہ ان حالات میں ہے کہ جب آپؑ فرماتے تھے میں پیامبر خدا ﷺ کے ساتھ بھوک مٹانے کے لئے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا، حالانکہ میں سالانہ چالیس ہزار دینار صدقہ (وقف) اللہ کی راہ میں دیتا تھا۔ ابن اثیر کہتا ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد امامؑ کے موقوفات ہیں۔

ب: امام علیؑ نے اپنی زندگی میں "ینبع"، "سویقہ" (مدینہ کے نزدیک آل علیؑ کی سکونت کی جگہ) اور مدینے میں ایسے بہت سے کنویں اور پانی کے چشمے تیار کیے جس سے غیر آباد زمینیں آباد کر کے ان تمام زمینوں کو اپنی ملکیت سے خارج کر کے مسلمانوں میں بطور صدقہ وقف فرماتے تھے یہاں تک کہ آپؑ کی شہادت کے وقت آپؑ کے پاس کچھ بھی باقی نہ تھا۔

ج: ایک مرتبہ آنحضرتؑ نے "ینبع" کے مقام پر سو چشمے حفر کیا اور اس کو خانہ خدا کی زیارت پر آنے والے حاجیوں کے لئے وقف کیا۔ اسی طرح بصرہ و کوفہ کے مختلف مقامات پر زمینیں آباد کر کے لوگوں میں تقسیم اور راہ خدا میں وقف کرتے تھے۔

۲: سیرت عملی حضرت فاطمہ زہراؑ میں وقف

حضرات معصومینؑ مالی توانائی کے حساب سے اپنے مال سے اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لئے وقف کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ زہراؑ کی حیات طیبہ میں بھی اپنے والد بزرگوار اور ہمسر حضرت علیؑ کے مانند جود وسخا کا اخلاقی پہلو نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

الف: جیسے کہ ابو بصیر امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا: اے ابو بصیر کیا

تمہیں حضرت زہراؑ کی وقف کے بارے میں جو وصیت کی تھی، پڑھ کر سناؤں؟ راوی نے کہا کیوں نہیں اے فرزند رسول ﷺ، اس وقت امامؑ نے ایک تحریر نکالی، اس میں لکھا تھا: اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے، یہ وصیت نامہ فاطمہ بنت محمد ﷺ طرف سے ہے ان سات باغ کے بارے میں جو سرزمین خیبر میں ہیں ان کے نام یہ ہیں: عواف، دلال برقہ، مبیت، حسنی، صافیہ اور مال ام ابراہیم، ان باغات کے بارے میں، میں علی بن ابی طالبؑ کو وصیت کرتی ہوں کہ آپؑ اپنے بعد ان کو اپنے فرزند حسن بن علیؑ اور آپؑ اپنے بعد اپنے بھائی حسینؑ کو اور آپؑ کے بعد اپنے بیٹے زین العابدینؑ کو دیں، اسی طرح یہ سلسلہ آخر تک جاری رہے۔

ب: اسی طرح حضرت زہراؑ نے ازواج رسول خدا ﷺ میں سے ہر ایک کے لئے بارہ "اوقیہ" (ہر اوقیہ کی قیمت چالیس درہم کے برابر ہے) وقف کیا اور اسی مقدار میں بنی ہاشم کی تمام عورتوں کے لئے مال وقف دینے کی وصیت فرمائی۔ اور حضرت علیؑ کو ان موقوفات پر سرپرست قرار دیے۔

باقی معصومینؑ کی سیرت میں وقف کی اہمیت

ائمہ معصومینؑ میں سے ہر امام اپنے اموال سے اللہ کی خوشنودی کے خاطر بے سہارا اور نیاز مند لوگوں میں انفاق کرتے تھے۔

الف: حضرت امام حسن مجتبیٰؑ اور امام حسینؑ کی سیرت عملی میں وقف

تاریخی شواہد کی بنیاد پر ابھی بھی امام حسن مجتبیٰؑ کی طرف سے وقف شدہ باغ بنام "صبا" و "مرجان" مدینہ میں موجود ہیں۔ (وقف در اسلام، ص5) شیخ بہائی اپنے والد بزرگوار

سے نقل کرتے ہیں کہ امام حسینؑ نے بھی اپنی ملکیتی زمین اور دیگر اموال سے وقف کیا یہاں تک کہ اپنی قبر مبارک کی اطراف کو بھی نینوا اور غاضریہ کے قبیلے سے ساٹھ ہزار درہم میں خرید کر اس شرط پر کہ وہ لوگ آپؑ کی قبر مطہر پر زیارت کے لئے آنے والے زائرین کی راہنمائی اور ان کی تین دن تک مہمانی کریں، ان کے لئے وقف کردیا۔

ب: امام صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کی سیرت عملی اور وقف

امام صادقؑ کے بھی موقوفات کا تذکرہ ملتا ہے جیسے کہ اوپر بیان ہوا۔

امام موسیٰ کاظمؑ کے بارے میں بھی ملتا ہے، جیسے کہ آپؑ سے منسوب ایک وقف نامہ میں یوں تحریر ہے: یہ (اموال) موسیٰ بن جعفرؑ کی طرف سے وقف شدہ ہے۔ اس میں آپؑ نے زمین کی چار دیواری معین کی۔ کلی طور پر کھجور کے درخت، پانی کے نہریں، چکی، آباد و غیر آباد زمینیں امامؑ کی طرف سے اپنی اولاد و دیگر نیاز مندوں کے لئے وقف کردیے۔

وقف کی قسمیں

فقہی کتب میں وقف کی چند قسمیں ذکر ہوئی ہیں:

۱: وقفِ عام: یہ ایسا وقف ہے جو عام جہات اور عناوین کے پیشِ نظر ہو۔ یعنی اس وقف میں عام طور پر لوگوں کی بھلائی مطلوب ہوتی ہے۔

۲: وقفِ خاص: ایسا وقف ہے جو کسی خاص جہت اور مخصوص عنوان سے ہو۔ جیسے مذکر اولاد کیلئے وقف کرنا یا کسی خاص جگہ۔ یا کسی خاص فرد کے لیے وقف کرنا اس طرح سے کہ اس کی منفعت اور فائدہ مخصوص جگہ یا افراد کے لئے ہو۔

۳:وقف انتفاع: ایسا وقف جس سے مقصود دنیاوی و مادی درآمد و فائدہ نہ ہو جیسے اپنی ملکی زمین یا ویران زمین میں مسجد یا امام بارگاہ وغیرہ تعمیر کرنا۔

۴:وقف منفعت: ایسا وقف جس سے غرض مادی درآمد ہو اس درآمد کو کسی اور چیز پر لگایا جائے مثلاً دکان یا ملکیتی زمین وغیرہ کو مسجد کے امور چلانے کیلیے وقف کرنا یا کسی دینی مدرسہ یا ہاسپٹل کے اخراجات پورا کرنے کے لیے دکان یا مارکیٹ وغیرہ کو وقف کرنا۔

وقف کے عام اہداف اور اس کے دنیوی آثار

وقف کا عموی بھلائی کے کاموں سے بہت گہرا تعلق ہے، خصوصاً ایسے معاشروں میں جن میں طبقاتی اختلاف بہت زیادہ ہو، وقف کے ذریعہ اور وسیلہ سے دولتمند شخص کسی فقیر و نادار کے بارے میں سوچ سکتا ہے، طاقتور کمزور کی خبر گیری کر سکتا ہے اور اس طرح سے بہت زیادہ عموی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔

عام اہداف جو وقف میں حاصل ہو سکتے ہیں اس طرح سے ہیں:

غریبوں کی دستگیری، محروموں کی مدد، تنگدستوں کی زندگیوں میں بہتری، اقتصادی عدالت، لوگوں کی زندگیاں برابر کرنا، علم کی روشنی پھیلانا، اسلامی معارف اور دینی مبانی کی تعلیم و تربیت اور ثقافت کی ترویج، مساجد کی تعمیر، امام بارگاہوں کی ساخت، کتابخانوں، مدارس، ہاسپٹلز، پناہ گاہوں اور رفاہ عامہ کے مراکز کا قیام، راستے بنانا، پلوں کی تعمیر وغیرہ ایسے امور ہیں جو موقوفات سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

ایک اور جہت و نظر سے دیکھا جائے تو وقف کرنے کا عمل صفات رذیلہ (بری اور

ناپسندیدہ صفات) جیسے طمع و حرص اور دنیا پرستی کا قلع قمع کرتا ہے اور قناعت اور نوع دوستی (بشر دوستی) کو بڑھاتا اور تقویت کرتا ہے۔

وقف کرنا لوگوں کے درمیان کشمکش اور فخر فروشی وغرور کی جگہ پر لوگوں کے ساتھ تعاون اور ان کی امداد کے عوامل کو ابھارتا ہے۔وقف کرنا عشق ومحبت،اور بشر دوستی سے سرشار معاشرے کو معرضِ وجود میں لانے کا باعث بنتا ہے، فکری سطح کو بلند کرتا ہے اور وقف شدہ اشیاء کی درآمد پیاسوں کو سیراب کرنے،مسافروں کو بھلائی کا سائبان،سکون اور سہولت فراہم کرتی ہے۔

جیسا کہ ظاہر ہے کہ وقف کے اہداف ومقاصد فقراء اور عبادت گاہوں تک محدود نہیں ہوتے بلکہ یہ عمومی اہداف علمی مراکز کی ایجاد، ہسپتالوں وغیرہ کی تعمیر کو بھی شامل ہیں۔

انسان کی اخروی زندگی پر وقف کے آثار

فرمان معصومؑ "الدنیا مزرعة الآخرة "دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔جو شخص اس دنیا میں جو بوئے گا وہی اس کو آخرت میں ملے گا۔انسان کی زندگی چندروزہ ہے،اس زندگی کے اختتام کے بعد وہ برزخی زندگی میں قدم رنجہ ہوتا ہے،جہاں پر انسان کے کیے ہوئے اعمال نعمت یا عذاب کی شکل میں اس کے سامنے آتے ہیں،اس زندگی میں قدم رکھنے کے بعد انسان نیک اعمال کرنے کی حسرت کے باوجود کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔لیکن اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر یہ بھی بے پایاں کرم واحسان ہے کہ اس نے انہیں ثواب پہنچانے کی اجازت دے رکھی ہے۔جس سے انہیں قبر میں نعمتیں ملتی ہیں،درجات بلند ہوتے ہیں اور عذاب سے راحت ملتی ہے۔میت کو ثواب

پہچاننے کا موضوع زندہ افراد اور فوت شدگان سب کے لیے اہم ہے، زندہ لوگوں کے لیے خصوصاً اس لیے کہ وہ اپنی عمر کے لمحات کو غنیمت جانیں اور دنیائے فانی سے اپنا حصہ حاصل کرتے ہوئے آخرت کے لیے عمل کریں۔ اور فوت شدگان کے لیے بھی اس معنی میں اہم ہے کہ ہر زندہ شخص کے کوئی نہ کوئی ایسے رشتہ دار مثلاً ماں باپ، بہن بھائی وغیرہ ضرور موجود ہیں جو اس سے پہلے انتقال کر چکے ہیں، تو انہی کی طرح اس کو بھی ایک نہ ایک دن اس دارفانی سے کوچ کرنا ہے، اس لیے زندوں کو چاہیے کہ وہ ایسے کام کریں جو مرنے کے بعد بھی ان کے لیے نفع بخش ہوں۔ پس وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ انسان اگر نیک آثار وقف اور صدقہ جاریہ کی شکل میں دنیا میں چھوڑ کر آخرت کی طرف سفر کرے تو گویا وہ اپنے لئے نہ ختم ہونے والا ثواب کا انتظام کیا جیسے کہ فرمانِ الٰہی ہے: وَ نَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ آثَارَهُم. (سورہ یاسین آیہ: 12)۔ اور جو کام انہوں نے کیے ہیں اور جو کچھ آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے ہیں، وہ سب ہم لکھتے جا رہے ہیں۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: " جو کام انہوں نے خود کیے ہیں اور جن کاموں کے اثرات انہوں نے اپنے پیچھے چھوڑے ہیں، وہ سب ہم لکھتے جا رہے ہیں اور اسی پر ہم انہیں بدلہ دیں گے، اگر اچھے ہوں تو اچھا، اگر برے ہوں تو برا بدلہ دیا جائے گا " یہاں تک کہ نیک اولاد جو نیک اعمال کرتی ہیں ان کے ثواب میں کمی کیے بغیر ان کے والدین کو بھی ان ہی کے برابر ثواب دیا جائے گا، اس لیے کہ اولاد بھی والدین کی کوشش اور کمائی کا ایک حصہ ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی. (سورہ النجم آیہ: 39) "اور یہ کہ انسان کو صرف اسی کے عمل کا بدلہ ملے گا"۔

اگر ہم دینی مدارس کے تاریخی پس منظر اور انکی معاشرے میں افادیت اور ائمہ معصومینؑ کی دینی مدارس کے قیام کے بارے میں سیرت عملی کو دیکھیں تو بخوبی معلوم ہوگا کہ اپنے ذاتی سرمایہ کو دینی مدرسے کے قیام اور اس کو بہتر چلانے میں وقف کرنا ہی صدقہ جاریہ اور وقف کا بہترین اور کامل ترین مصداق ہے۔

موقوفات اور معاشرتی مسائل

معاشرتی لحاظ سے موقوفات کا کردار مراکز دینی کے اضافہ کرنے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کے اسباب فراہم کرنے اور بزرگ اسلامی دانشمندوں کو اقتصادی مالی توانائی مہیا کرنے کے ساتھ یہ سہولت میسر کرتا تھا کہ ایک اجتماعی معاشرتی ادارے کے عنوان سے نہ فقط اسلامی معاشرے کی اقتصادی مشکلات حل کرے بلکہ اسے اجتماعی بُحران اور سخت ترین معاشرتی مسائل میں بھی موقوفات سے مدد لی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ لوگوں کے لئے امن وامان کی پناہ گاہ اور معنوی حمایت شمار کیا جاسکتا ہے۔

وقف میں ہمت بلند اور قلب وسیع ہونا چاہیے اور وقف کرنے کے باب میں مرغوب ترین (بہترین) اموال واملاک کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہاں اس بات کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ نامرغوب اموال کو وقف کرنا جہاں پر دوسروں کے لیے کم دنیوی فائدہ رکھتا ہے اس کا اُخروی فائدہ واقف کے لیے بھی کم اور ناچیز ہے۔ (میراث جاویدان)

تعلیمی امور میں وقف کی اہمیت

اگرچہ اس زمانے میں وقف کیلئے متعدد میدان موجود ہیں جن میں صحت،

طبابت، تعلیم وتربیت، ریسرچ وتحقیق، جدید علوم، ماحولیات اور ماڈرن شکل میں دین کی ترویج شامل ہیں۔لیکن اس میں سے مہم ترین میدان تعلیم وتربیت کا میدان ہے۔

معاشرے میں دینی واسلامی مدارس، مراکز اور اداروں کی فعالیت اور ان میں بہتر کارکردگی کے لئے وقف مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔وقف، اسلامی دنیا میں ثقافت پروری اور تمدن سازی کا ایک مہم ترین عنصر (Factor) رہا ہے۔ماضی قریب میں اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ علمی سائنسی، تربیتی، تعلیمی، رفاہی، عبادی اور انواع واقسام کی عمومی منفعت کی عمارتیں وقف کرنے والے نیک افراد کی ہمت اور ان کے ہاتھوں سے بنتی تھیں یہاں تک کہ ان موقوفات کے برقرار وپائیدار رہنے کے لیے بھی سوچ بچار کی جاتی تھی تاکہ آئندہ نسلوں کے بھی کام آسکیں۔

وقف کو بشری کلچر میں بہت زیادہ موقعیت ومقام کا حاصل ہے، وقف کا نظام نہ صرف اسلامی ممالک میں مختلف اشکال میں موجود ہے اور فعالیت انجام دے رہا ہے، بلکہ زرتشتی (آتش پرست) کلیسی، مسیحی اور ادیان آسمانی کے دیگر پیروکاروں میں بھی کسی نہ کسی طرح وقف کا نظام موجود ہے۔لہٰذا وقف کو "ایک بہت بڑی بشری امداد رسانی" کہا جا سکتا ہے۔

جہان اسلام کے بہت بڑے مدارس جیسے نیشاپور اور بغداد کے نظامیہ مدارس موقوفات کے سہارے چلتے تھے۔

وقف کے بارے میں چند فقہی احکام

ا: مال موقوفہ مالک کی ملکیت سے خارج ہوتا ہے،

۲: مالک وقف کردہ مال میں دوبارہ تصرف نہیں کرسکتا

مراجع تقلید کا فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز وقف کرے تو وہ اس کی ملکیت سے خارج ہوجاتی ہے اور وہ خود اور دوسرے لوگ نہ وہ چیز کسی کو بخش سکتے ہیں اور نہ بیچ سکتے ہیں اور کوئی شخص اس کا وارث بھی نہیں بن سکتا۔

وقف کے مصادیق

جیسے کہ قرآن و روایات سے معلوم ہوا کہ ہر کارِ خیر کی انجام دہی انسان کو دنیوی اور اخروی فائدہ پہنچاتی ہے اور فقہی اصطلاح کے مطابق ایک خاص انداز میں کارِ خیر کو انجام دیں تو وہ وقف کہلاتا ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کونسی چیز بہترین وقف کا مصداق بن سکتی ہے؟ جس عمل میں ماندگاری اور معاشرے میں دینی اقدار کے تحفظ اور اور اس کی نشر و اشاعت میں جو چیز زیادہ مؤثر ثابت ہوگی وہی سب سے بہترین وقف ہوگا اور اسکا ثواب بھی بے حساب و کتاب واقف کو ملے گا۔ اس بیان کی روشنی میں موقوفات کی فہرست یوں بنائی جاسکتی ہے:

۱: طبی سہولتوں کے لئے مراکز کا قیام،

۲: رفاہ عامہ کے مراکز کی تاسیس،

۳: مساجد کی تعمیر،

۴: دینی مدارس کا قیام۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سید آل سیدین جعفری مرحوم ایک مؤمن با عمل

از: شیخ غلام محمد سلیم

مجھے اس مدرسے میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے ہوئے تقریباً ۲۰ سال ہوئے ہیں، اس عرصے کے دوران میں نے مرحوم سید آل سیدین جعفری جیسے نیک و خوش نصیب اور سعادت مند آدمی بہت کم دیکھے ہیں۔ میری ان سے بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔ جعفری مرحوم نے جب مدرسہ المہدی میرے مربّی و روحانی باپ مفسر و مترجم قرآن اور سرپرست مدارس اہل بیت علامہ شیخ محسن علی نجفی (دام ظلہ العالی) کے حوالے کیا تو میرے مشفق استاد نے مجھے تدریس کے لئے انتخاب فرما کر اس مدرسے میں بھیجا۔

جب میں اسلام آباد سے کراچی ایئرپورٹ پہنچا تو مجھ ناچیز کو ریسیو (Receive) کرنے کے لئے وکیل المراجع حضرت حجت الاسلام والمسلمین شیخ علی مدبر (دام ظلہ العالی) اور مرحوم سید آل سیدین جعفری ایئرپورٹ پر موجود تھے۔ جب مجھے لباسِ روحانیت میں ملبس دیکھا تو جعفری مرحوم ایئرپورٹ کے قوانین کے برخلاف لاونج کے اندر تشریف لے آئے اور مجھ سے سامان لے لیا۔ ان کی نگاہ میں یہ ایک تائید الٰہی اور بہت بڑا اعزاز تھا۔ مرحوم نے مجھے قبلہ مولانا علی مدبر کے ساتھ مدرسہ پہنچایا اور طے پایا کہ ۱۷۔ ربیع الاول، میلاد باسعادت رحمت للعالمین ﷺ کے موقع پر مدرسہ میں تدریس کا عمل شروع کیا جائے۔ اس دن سے لیکر سید آل سیدین جعفری اپنے آخری ایام تک میرے شانہ بشانہ رہے اور تعاون کرتے رہے اور کبھی بھی

مجھے تنہا نہیں چھوڑا: آپ سید ین جعفری مرحوم نے نہ صرف مدرسۃ الہدیٰ کی تاسیس (جس کی تفصیل گزر چکی) کی بلکہ مدرسہ کو چلانے اور دیکھ بھال میں بھی مکمل تعاون جاری رکھا۔

یہاں مرحوم سے متعلق کچھ اہم واقعات اور تاثرات ہیں جن کو مومنین، خاص طور پر ان کے اہلِ خانہ کے علم میں لانا ضروری سمجھتا ہوں۔ شاید مومنین اور مرحوم کے اہلِ خانہ کے لیے سودمند اور معلومات میں اضافے کا باعث بنے۔

جس دن سے میں مدرسے میں وارد ہوا اور درس و تدریس کا کام شروع کیا، جعفری مرحوم اپنی زندگی کے آخری ایام تک تمام امور میں میرے شانہ بشانہ رہے اور کسی چیز میں نہ مداخلت کی اور نہ اپنا نظریہ مسلط کرنا چاہا، بلکہ بہت اخلاص کے ساتھ ہر وقت مرضی معبود اور امام زمانہ (ع) کی خوشنودی کے طالب رہے۔

۱: مرحوم جعفری اخلاص کا پیکر تھے

اسلام میں ہر کام کے لئے اخلاص اولین شرط ہے جیسا کہ مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا فرمان ہے:

۱: الاخلاص غایۃ الدینا، یعنی دین میں ہر چیز کی قبولیت کی آخری حد اخلاص ہے۔

۲: الاخلاص ملاک العبادۃ، یعنی عبادت کا ملاک اور معیار صرف اور صرف اخلاص ہے۔

۳: پیامبر گرامی اسلام ﷺ کا فرمان ہے: اخلص قلبک (عملک) یکفیک القلیل من العمل، یعنی اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی انسان کے لئے کافی ہے۔

۴: پیامبر گرامی اسلام ﷺ کا ایک اور فرمان ہے: اذا عملت عملاً فاعمل للّٰہ خالصاً

لانہ لا یقبل من عبادہ الاعمال الا ما کان خالصا، جب بھی کوئی عمل انجام دو تو صرف اللہ کے لئے انجام دو، کیوں کہ اللہ اپنے بندوں سے صرف خالص عمل کو قبول کرتا ہے۔

اخلاص کا اثر احادیث میں یوں بیان ہوا ہے: من اخلص نیتہ تنزہ عن الدنیۃ، یعنی جس انسان کی نیت خالص ہو وہ ہر پستی سے دور ہوگا۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اگر مومن مخلص ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہر ایک کے دل میں اس کی محبت ڈالتا ہے اور کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ درندوں کے دل میں بھی ان کا احترام اور رعب بٹھاتا ہے۔

مرحوم جعفری کو میں نے بیس سال قریب سے دیکھا۔ اس تمام عرصہ میں، میں نے مرحوم سے اخلاص کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا۔ بارہا یہ بات میرے اور مرحوم کے درمیان زیر بحث رہی کہ اس مدرسہ کی کامیابی میں ہمیشہ تائیدِ غیبی اور خصوصاً امام زمانہ علیہ السلام کی تائید شاملِ حال رہی ہے۔ میرے اور مدرسے کے دیگر اساتذہ کا متفقہ نظریہ یہی ہوتا تھا کہ اس مدرسہ میں جو بھی کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں، وہ سب جعفری صاحب کے اخلاص کا نتیجہ ہے۔

ان کے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ بہت سارے احباب اور تاجر برادری بارہا ان کو کہتے تھے کہ آپ نے مدرسہ بنایا، اس سے آپ کو کیا ملا۔ آپ نے سرمایہ ضایع کر دیا کیونکہ نہ مدرسہ میں آپ کا نام چلتا ہے، نہ حکم اور نہ ہی آپ کا اس میں کوئی عمل دخل ہے اور نہ کوئی دنیاوی فائدہ، مرحوم ان سب کی باتوں کو ہنس کر ٹال دیتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ لوگ شاید درست کہہ رہے ہوں، لیکن میں جانتا ہوں کہ جس مقصد کے لیے میں نے مدرسہ بنایا ہے، وہ حاصل ہو رہا ہے اور جو چیز مدرسے کے بنانے میں میرا مطمعِ نظر ہے، وہ خوشنودیِ خداوند و امام زمانہ (عج)

ترویج دینِ مبینِ اسلام ونشر واشاعتِ تعلیماتِ محمد وآل محمد علیہم السلام، مکتب اہلبیتؑ کے پیروکاروں کی دینی تعلیم کے حصول اور ثواب اخروی۔ اور یہ کہتے تھے کہ مولانا دعا کریں کہ میری نیت خیر واخلاص میں تزلزل نہ آئے۔

۲: مرحوم کی دینی بصیرت اور دور اندیشی

معصوم کا فرمان ہے: "المومن کیّس" یعنی مومن اپنے امور میں دور اندیش ہوتا ہے۔ امام علیؑ کا فرمان ہے کہ بہترین مومن وہ ہے، جو اپنی جان اور مال کو اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرے۔

مرحوم جعفری صاحب، کمالِ اخلاق اور اخلاص کا پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ دینی بصیرت اور دور اندیشی میں بھی اعلیٰ درجہ کے مالک تھے۔ ایک مطلب ضرور ذکر کرتا چلوں، وہ یہ ہے کہ آج کل دنیا میں کوئی بھی آدمی جو بھی کام کرتا ہے، دوسروں کی تعریف کا متمنا خواہاں رہتا ہے۔ یعنی یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے کام کو سراہیں اور تعریف کریں۔ لوگ کہیں کہ اس کا کیا کہنا کہ اتنا کارِ خیر انجام دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کاموں کی وجہ سے اس کا نام احترام اور ذکر بڑھے، لیکن جعفری مرحوم ان کے برعکس، نہ کسی تعریف کے خواہاں تھے اور نہ ہی نام ونمود اور نہ شہرت کے۔ کیوں کہ مرحوم یہ امور لوگوں کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف اپنے رب اور امام زمانہؑ کی خوشنودی کے لئے انجام دیتے تھے۔ جیسے کہ روز عاشورہ سید الشہداءؑ کے اس فرمان کی طرح "رِضاً بِقَضائِکَ..." یہی وجہ ہے وہ اپنے کام کو بڑا نہیں سمجھتے تھے اور نہ تعریف کے خواہاں تھے بلکہ مزید خدمت کی توفیق کے خواہاں رہتے تھے اور کبھی کوئی کارِ خیر انجام دیتے یا کسی

کو کچھ دے دیتے تو نہ احسان جتاتے اور نہ ہی مڑ کر دیکھتے تھے، چونکہ مرحوم جانتے تھے یہ چیزیں عملِ خیر کو برباد اور نابود کر دیتی ہیں۔

۳: مدرسے کے داخلی معاملات میں پرنسپل پر اعتماد کامل

کچھ لوگ مدرسے میں طلاب کے داخلے کے امور میں ان سے رجوع کرتے تھے تو مرحوم انہیں صاف جواب دیتے تھے کہ مدرسے میں طلاب کے داخلے کے امور سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ تو وہ لوگ جعفری مرحوم کو دوسرے انداز میں بتاتے تھے کہ آپ نے مدرسہ بنایا لیکن آپ کو مدرسے میں اتنا بھی اختیار نہیں؟ تو مرحوم فرماتے تھے کہ اگر تم لوگوں کو کسی لڑکے کو داخل کروانا ہے تو مدرسے کے مدیر مولانا شیخ سلیم ہیں، ان سے رجوع کریں اگر طالب علم ان کے قوانین پر پورا اترے گا تو داخلہ ملے گا۔

یہاں پر ایک واقعہ بیان کرتا چلوں جو دلچسپی سے خالی نہیں؛ ایک دفعہ آزاد کشمیر سے ایک مومن کسی لڑکے کو مرحوم کے پاس ان کے دفتر لیکر آیا جو تازہ شیعہ ہوا تھا۔ اس نے مدرسے میں داخلہ دلانے کے لیے مرحوم پر مختلف حوالوں سے دباو ڈالا لیکن مرحوم کا ایک ہی جملہ تھا کہ آپ کی ہر بات سر آنکھوں پر، آپ کی ہر بات درست، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی ہر قسم کی مالی اور غیر مالی مدد کر سکتا ہوں لیکن مدرسے میں داخلے کے اپنے قوانین ہیں، اگر لڑکا انکے قوانین کے مطابق ہوگا تو وہ خود داخلہ دیں گے ورنہ میں اس معاملے میں مداخلت کرنے سے معذور ہوں۔ یہ سب اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ مرحوم بہت دور اندیش، سمجھدار، مخلص اور دیندار تھے۔

۴: مدرسے سے متعلق بے جا شکایتوں پر کان نہ دھرنا

بعض اوقات لوگ مدرسے کے بارے میں مختلف حوالے سے ان کے پاس شکایت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مدرسہ خراب ہو رہا ہے۔ صحیح کام نہیں چل رہا، طلاب کم ہیں، طالب علموں پر پریشر زیادہ ہوتا ہے، درسی وتدریسی امور صحیح نہیں۔ ان سب شکایتوں کو سننے کے بعد جعفری مرحوم کا ایک ہی جواب ہوتا تھا، آپ کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو میں مدد کرنے کے لیے حاضر ہوں لیکن مدرسے کے داخلی امور سے میرا کوئی تعلق نہیں، ہم نے ایک پرنسپل رکھا ہے، وہ جانے اور ان کا کام، مدرسے کی کامیابی یا ناکامی پرنسپل کی ذمہ داری ہے، اگر ناکام یا خراب ہوا تو وہ لوگ خسارہ اٹھائیں گے اور انکی ذمہ داری ہوگی اور اگر مدرسہ کامیاب ہوا تو انکی نیک نامی ہوگی۔ میرا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں، مدرسہ کامیاب جائے یا نہ جائے، طالب علم کم ہوں یا زیادہ، میں جانتا ہوں کہ جس مقصد کو سامنے رکھ کر مدرسہ بنایا ہے وہ حاصل ہو رہا ہے۔

۵: طلاب کے ساتھ ان کی پدرانہ شفقت

عام طور پر بعض لوگ اور مومنین، دینی طلاب اور علماء کو حقیر سمجھتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ یہ لوگ مفت خور، بیکار اور دوسروں پر بوجھ ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ مدرسے میں ایسے لوگ آتے ہیں جو معاشرے میں کسی کام کے نہیں ہوتے، غریب، ان پڑھ، نالائق اور فقیر طبقے کے ہوتے ہیں، اور اگر ان پر کچھ خرچ کرتے ہیں، تو فقیر سمجھ کر کرتے ہیں لیکن اس کے برخلاف جعفری مرحوم دینی طالب علم کے بارے میں وہی نظریہ رکھتے تھے جو مقام پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین کی احادیث میں انہی کے بارے میں آیا ہے۔ مرحوم طالب علموں کی بے حد عزت اور احترام کرتے اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کو

واقعی معنوں میں امام زمانہؑ کا سرباز (سپاہی)، مکتب اہلبیتؑ کا مبلغ اور دین خدا کا محافظ سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کی خدمات کو اپنے لئے اعزاز اور ذخیرہ آخرت کے طور پر دیکھتے تھے۔ اور اسی بات پر تہہ دل سے ایمان بھی رکھتے تھے۔

لہٰذا اس بیس سال کے عرصے میں ایک دفعہ بھی میرے مشاہدے میں نہیں آیا کہ مرحوم کسی طالب علم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہو۔ بلکہ ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

۶: طلاب کی مشکلات کے حل میں مرحوم کا کردار

مرحوم جعفری طلاب کے ساتھ بہت شفقت و محبت سے پیش آتے تھے۔ اور ہمیشہ ان کی دلی آرزو اور خواہش رہتی تھی کہ طلاب کی ہر مشکل کو حل اور ان کی مدد کریں۔

عام طور پر ہمارے (شیعہ دینی) مدارس میں جو افراد زیر تعلیم ہوتے ہیں، ان کے تمام اخراجات مدرسے کے ذمے ہوتے ہیں۔ قیام و طعام اور درسی کتب مدرسے کی طرف سے مفت فراہم کی جاتی ہیں اور دیگر تعلیمی تمام اخراجات بھی مدرسہ برداشت کرتا ہے۔ اسی طرح مدرسہ المہدی میں بھی طلاب کو ان تمام سہولیات کے علاوہ عید فطر کے موقع پر کپڑے دیے جاتے ہیں اور اندرون سندھ سے تعلق رکھنے والے طلاب کو کم و بیش سال میں تین دفعہ رفت و آمد کا کرایہ بھی دیا جاتا ہے اور باقی علاقوں سے تعلق رکھنے والے طالب علموں کو سال میں ایک دفعہ کرائے کی مد میں مدد کی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ ہمارے مدرسے میں طلاب کو میڈیکل کی سہولیات، خصوصاً بڑے کیسز جیسے آپریشن وغیرہ کے اخراجات جو عام طور پر طلاب یا ان کے والدین کے بس میں نہیں ہوتے، وہ مدرسہ برداشت کرتا ہے۔ اب تک ہیپاٹائٹس، ٹی بی، کان ناک و حلق،

اپنڈیکس کے آپریشن اور ڈینگی وغیرہ جیسے کیسز کے علاج ومعالجہ کے اخراجات مدرسے کی طرف سے کئے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ باقی امور مثلاً شادی بیاہ کے سلسلے میں بھی حسب ضرورت ان کی کمک کی جاتی ہے۔مرحوم کو جب بھی ان چیزوں کا پتا چلتا تھا تو فوراً دل کھول کر ان کی مدد کرتے تھے۔

۷:طلاب کو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا

مرحوم آل سیدین جعفری طالب علموں کی تعلیم وتربیت،ترقی اور ان کو معاشرے میں مفید اور کارآمد انسان بننے کی راہ ہموار کرنے میں ہمیشہ فکرمند اور اس راہ میں ہر قسم کی مدد کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ایک دفعہ مدرسے میں طلاب کے مستقبل اور عملی زندگی میں کام آنے والی چیزوں کا ذکر آیا اور یہ بات بھی سامنے آئی کہ آج کے دور میں نئی نسل کے تقاضے کچھ اور ہیں۔لہٰذا ہمارے مدرسے کے طلاب کو ان تقاضوں کے ہم آہنگ ہونا چاہیے اور ان کو انہی کی زبان میں تبلیغ وترویج دین مبین اسلام انجام دینے کے لئے انہی کی زبان پر عبور حاصل ہونا چاہیے۔اس سلسلے میں انگریزی زبان کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے مرحوم نے یہ فیصلہ کیا کہ مدرسے میں انگریزی زبان کی تدریس کے لئے استاد کا انتظام کیا جائے۔اس طرح چھ سال تک طلاب کے لئے انگلش کلاسیں برقرار رہیں۔اس مقصد کے لئے مختلف اساتذہ سے خدمات لی گئیں۔اسی طرح عربی بول چال اور فارسی زبان کی کلاسیں بھی وقتاً فوقتاً جاری رہیں۔

آج کل کے زمانے میں چونکہ کمپیوٹر انسانی زندگی کا حصہ بن چکا ہے اور علماء وطلاب کو دنیا کے حالات سے آگاہ رہنے اور دینی واسلامی ثقافتی سافٹ ویئرز (Software) وغیرہ سے استفادہ کرنے کے لئے مدرسے میں کمپیوٹر لیب کا انتظام کر کے اس کے لئے استاد رکھے

گئے۔ اس طرح مرحوم جعفری نے اس ضرورت کو بھی خلوص دل سے پورا کیا۔

۸: حوزہ ہای علمیہ میں جانے والے طلاب پر خصوصی توجہ

اب تک مدرسے سے فارغ التحصیل ہو کر اعلیٰ تعلیم کے لئے حوزہ علمیہ نجف اشرف جانے والے طلاب کے تمام اخراجات مرحوم خود دیتے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ طلاب کے ذاتی مالی مسائل کے حل کرتے تھے۔ یہاں تک کی جب آپ کینسر کی بیماری میں مبتلا تھے اور بستر سے اٹھ بھی نہیں سکتے تھے تو بعض طلاب نجف اشرف سے ویزہ کے سلسلے میں کراچی آئے ہوئے تھے اور ان کو واپسی کے اخراجات کے سلسلے میں مشکلات کا سامنا تھا، اس دوران، میں نے مرحوم کی خیریت دریافت کرنے کے لئے فون کیا تو انہوں نے خود پوچھا کہ مدرسے میں کسی قسم کی ضرورت تو نہیں ہے؟ میں نے ان طلاب کا پرابلم (Problem) ان کے سامنے رکھا تو مرحوم نے ان کے لئے کرائے کا بندوبست کیا۔

اسی طرح ایک طالب علم نجف سے بیمار ہو کر علاج کے سلسلے میں کراچی آیا تھا، ان کا بھی ذکر کیا، جس وقت مرحوم کو اپنے علاج معالجے کے حوالے سے پیسوں کی اشد ضرورت تھی، اس کے باوجود دوسرے دن مرحوم نے اپنے ڈرائیور کے ذریعے ان کے لئے مناسب رقم پہنچا دی۔ اگرچہ اس قسم کا کار خیر ہر کوئی کر سکتا ہے لیکن اخلاص در عمل ہر انسان کے بس کی بات نہیں، یہ سب مرحوم کی دین اور دینی طالب علم سے انتہائی عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۹: مدرسے میں ضرورت کی ہر چیز کا مہیا کرنا

جب بھی مدرسے میں کسی چیز کی ضرورت پیش آتی، جیسے ڈیپ فریزر، کمپیوٹر، پرنٹر، جنریٹر اور واٹر کولر وغیرہ، ان تمام چیزوں کو مرحوم اپنے طور پر بروقت فراہم کرتے تھے۔ ایک دفعہ

بجلی کی لوڈشیڈنگ کی وجہ سے طلاب کو مطالعے کے سلسلے میں مشکلات کا سامنا تھا، مرحوم نے کسی کام کے سلسلے میں مجھے فون کیا، خیریت دریافت کرنے کے بعد بجلی کی لوڈشیڈنگ اور طلاب کو مطالعے میں دشواری کا ذکر آیا۔ چند دن کے اندر ہی مرحوم نے اپنے دفتر کے ملازم محمد حسین کے ساتھ جنریٹر مدرسہ پہنچادیا۔ اسی قسم کے سینکڑوں موارد ایسے ہیں کہ کبھی ہمیں کہنا نہیں پڑتا تھا بلکہ علم میں آنا کافی ہوتا تھا۔ مرحوم اپنی حلال کمائی اور پاک مال سے خرید کر مدرسے پہنچایا کرتے تھے۔

۱۰: کتاب خانہ مدرسہ کی تاسیس میں جعفری مرحوم کا کردار

اس وقت مدرسے میں ایک شاندار کتاب خانہ ہے جس میں درسی وغیر درسی ضرورت کی تمام کتابیں موجود ہیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ کتاب کے حوالے سے مدرسہ غنی اور بے نیاز ہے۔ مدرسے کا یہ کتابخانہ اس طرح تشکیل پایا کہ جب بھی مجھے مدرسہ کے کاموں کے سلسلے میں ایران جانا ہوتا تھا تو میری عادت یہ تھی کہ مرحوم کو پیشگی اطلاع دیتا تھا، تو کہے بغیر وہ خود پوچھتے تھے کہ کتابوں کی ضرورت تو نہیں؟ اور ساتھ یہ کہتے تھے کی ضرورت کی کتابوں کی فہرست بنائیں۔ پھر مرحوم خود ان کتابوں کی خریداری کے لئے رقم لیکر مدرسہ آتے اور میں قم سے کتابیں خرید کر لاتا۔ اگرچہ کچھ کتابیں ہدیہ شدہ بھی ہیں لیکن 90 فیصد کتابیں جعفری مرحوم کے اپنے سرمائے سے خریدی گئی ہیں۔ اس وقت کتاب خانے میں لگ بھگ پچاس سے ساٹھ لاکھ روپیہ مالیت کی کتابیں موجود ہیں۔

۱۱: مدرسے میں دینی پروگرامز کے انعقاد میں دلچسپی۔

مدرسے میں مختلف مناسبتوں کے حوالے سے پروگرامز منعقد ہوتے ہیں۔ انہی

پروگراموں میں سے ایک ۱۵ شعبان المعظم کو یومِ ولادتِ منجی عالمِ بشریت، حضرت امام مہدی (عج) کا جشنِ مبارک ہے جو مدرسے میں ہر سال انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے، جس میں کراچی بھر سے مومنین کے علاوہ علماء اور طلابِ علومِ دینی کو خصوصی دعوت دی جاتی ہے۔ اس جشن کے انعقاد میں مرحوم حد سے زیادہ دلچسپی لیتے تھے اور تمام اخراجات خود مہیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرات معصومین علیہم السلام کے ایامِ ولادت و شہادت کی مناسبات سے بھی مجالس و محافل منعقد ہوتی ہیں ان میں تبرکات کے حوالے سے بھی مرحوم مدد کرتے تھے۔

۱۲: مجھ پر مرحوم کے احسانات

مرحوم کی طلاب، اساتذہ اور علماء کے ساتھ محبت اور اخلاص کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ ان کی مشکلات کے حل میں کوشاں رہتے تھے۔ اور یہی صورتحال میرے ساتھ بھی۔ لہٰذا میرے گھر اور میری ضروریات کے متعلق مرحوم مجھ سے زیادہ فکرمند رہتے تھے اور مناسب مواقع پر ان کو مہیا کرتے تھے جبکہ یہ چیزیں نہ میرے خیال میں ہوتی تھیں اور نہ میں ان سے کبھی ذکر کرتا تھا۔ بلکہ مرحوم خود اپنے طور پر ان تمام چیزوں کا بندوبست کرتے تھے۔

الف: کنوینس (گاڑی) کی فراہمی

ایک مرتبہ حج بیت اللہ سے واپسی پر مدرسے میں تشریف لائے اور کہنے لگے کہ ہم نے آپ کے لئے گاڑی خریدنے کا فیصلہ کیا ہے، اور اس کے لئے انہوں نے ایک واقعہ کا بھی ذکر کیا کہ اسی سال حج میں حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ علی مدبر (دام ظلہ العالی) اور مرحوم ساتھ تھے اور دونوں صفا و مروہ کے درمیان سعی میں مصروف تھے تو مولانا مدبر نے فرمایا کہ ہم دونوں

صفا و مروہ کی سعی میں مصروف ہیں اور شیخ سلیم آپ کے مدرسہ اور میری مسجد کے درمیان سعی کر رہا ہے، (یعنی مولانا صاحب کی عدم موجوگی میں ان کی مسجد میں امامت کے فرائض میرے ذمے تھے) مرحوم نے کہا میرے ذہن میں آیا کہ یقیناً آپ کے لئے وسیلہ نقلیہ کی ضرورت ہے۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ لوگ حج سے واپس آکر میرے لئے گاڑی کا بندوبست کریں گے۔ اسی کے چند دن بعد قبلہ مولانا مدبر صاحب کا فون آیا اور فرمایا کہ جعفری صاحب نے آپ کے لئے گاڑی خریدی ہے، میری مسجد کے صحن میں کھڑی ہے آکر لے جاو۔ اس طرح انہوں نے مدرسہ اور میرے لئے کنوینس کی مشکل کو حل کردیا۔

ب: گھر کی خریداری

ایک دفعہ مرحوم (تقریباً چھے سال پہلے) مدرسہ تشریف لائے۔ دوران گفتگو پوچھا کہ اس اطراف میں گھر کتنے کا ملے گا؟ میں نے بتایا مجھے ان چیزوں کا کوئی علم نہیں ہے، مرحوم نے کہا کہ اخبارات میں نظر رکھنا اگر مدرسہ کے اطراف میں کوئی جگہ یا گھر فروخت کے لئے اشتہار دیکھیں تو مجھے بتادیں۔ چونکہ میرا ذہن اس طرف نہیں تھا، متوجہ ہی نہیں رہا۔ اور اس طرح چار یا پانچ مہینے گذرے۔ ایک دن مرحوم خود مدرسے تشریف لائے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور دو چار گھر دیکھنے کے بعد جس گھر میں، اس وقت میں رہائش پذیر ہوں، مرحوم کو پسند آیا اور فوراً بیعانہ دیکر خریدنے کا فیصلہ کیا اور گھر کی خریداری کے چند دن بعد مولانا مدبر (حفظہ اللہ) کے توسط سے پورے گھر کا فرش اور باقی لوازمات خرید کر گھر پہنچادیے۔ ان تمام چیزوں میں نہ مدرسہ کا ایک روپیہ شامل ہے اور نہ مال امام اور نہ کسی اور کا عطیہ وغیرہ بلکہ یہ تمام کا تمام روپیہ مرحوم کی اپنی ذاتی کمائی اور حلال مال سے ہے۔ اس کے علاوہ میرے گھریلو معاملات، خاص

طور پر بچیوں کی شادی کے سلسلے میں مرحوم نے دل کھول کر اور توقع سے بڑھ کر میری مدد کی۔ ان کے یہ احسانات میں پوری زندگی نہیں بھول سکتا، اور خداوند متعال ہی ان کا اجر وثواب دے سکتا ہے۔

اب یہ عظیم انسان ہمارے درمیان میں موجود نہیں بلکہ داعی حق کو لبیک کہہ گئے اور مدرسہ المہدی کے مسولین اور طلاب اپنے محسن اور مشفق سرپرست سے محروم ہو گئے ہیں اور بہت بڑا خلاء محسوس کر رہے ہیں۔ جب بھی میری نظر مدرسہ کی کسی چیز پر پڑتی ہے تو ایک طرف سے بہت متاثر اور مغموم ہوتا ہوں دوسری طرف سے ان کے وجود کی برکات کا احساس کرتا ہوں۔ تیسری طرف سے ان کی سمجھداری، دوراندیشی اور عظمتوں کا احساس کرتا ہوں۔ چوتھی طرف سے یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہوں کہ وہ کتنا نیک اور سعادت مند انسان تھا، اللہ کی اتنی توفیقات اور رحمت اور احسان انہیں نصیب ہوا، یوں کہوں اللہ کی برکات اور فیوضات اور لطف و کرم کا یہ سمندر ان کے بارے میں دیکھتا اور سوچتا ہوں کہ مرحوم کتنے خوش نصیب انسان تھے کہ اللہ اور ائمہ طاہرینؑ کی خصوصی نظر کرم ان پر تھی۔

آخر میں میری دلی دعا ہے کہ مرحوم کو اللہ تعالیٰ جوار محمد ﷺ و آلِ محمد ﷺ میں جگہ عطا کرے اور مرحوم کے لواحقین کو اس مصیبت میں صبر جمیل عنایت کرے۔ آمین!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موسس و بانی مدرسہ المھدی

مرحوم سیّد آل سیّدین جعفری کی شخصیت

مرحوم جعفری اور ترویج علوم محمد ﷺ و آل محمدؑ

مرحوم سیّد آل سیّدین جعفری ایسی شخصیت کے مالک تھے، جنہوں نے مومنین کی خدمت اور علوم آل محمد ﷺ کی ترویج اور تبلیغ کو اپنی زندگی کا شیوہ بنا دیا۔ اور اس کام کی شروعات انہوں نے حوزہ علمیہ المہدی عج کی بنیاد رکھ کے کی، جو اس وقت پاکستان کے چند فعال ترین مدارس میں سے ایک ہے اور عرصہ دراز سے حجۃ الاسلام والمسلمین آقای شیخ غلام محمد سلیم (دام ظلہ العالی) کی بصیرت آمیز مدیریت کے زیر سایہ وطن عزیز پاکستان میں رہنے والے مومنین اور طلاب کی علمی پیاس بجھا رہا ہے۔ جہاں ایک طرف حوزہ علمیہ المھدی (عج) سے فارغ التحصیل طلاب کی کثیر تعداد حوزہ علمیہ نجف اشرف اور حوزہ علمیہ قم المقدس میں اعلیٰ تعلیم کی تحصیل میں مشغول ہیں تو دوسری طرف اسی مرکز علم وعمل سے فیضیاب ہونے والے متعدد علماء پاکستان کے مختلف شہروں اور دور دراز پسماندہ علاقوں میں علوم آل محمد کی ترویج و تبلیغ میں مصروف اور مومنین کی دینی اور معنوی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں۔

ہم نے سیّد آل سیّدین جعفری کو بہت قریب سے دیکھا اور بہت مرتبہ ان سے مختلف امور پر بات ہوئی، آپ کی طبیعت میں جو ٹھہراو اور سنجیدگی تھی وہ بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے، قول اور فعل میں یکسانیت، دل اہلبیت علیھم السلام کی محبت سے سرشار، ہر وقت مومنین کی خدمت کا جذبہ، اللہ تعالیٰ نے انکو دنیاوی نعمتوں اور رزق حلال سے بھی بھرپور نوازا تھا لیکن انکے

وجود میں بھی کسی نے تکبر یا انا پرستی کو محسوس نہیں کیا، جب مدرسے تشریف لاتے تھے تو مدیر مدرسہ تو اپنی جگہ پر طلاب سے بھی اسطرح تواضع اور انکساری اور خوش مزاجی سے پیش آتے تھے گویہ کہ وہ اس مدرسہ کے بانی اور مؤسس نہیں بلکہ ایک خدمتگذار ہیں اور یقیناً انہوں نے ائمہ معصومین علیہم السلام کی پیروی کرتے ہوئے معارف اہلبیت علیہم السلام کی تبلیغ اور ترویج کا اتنا بڑا اہتمام اور زمینہ فراہم کر کے یعنی حوزہ علمیہ اور مرکز علم وعمل کی بنیاد رکھ کے دین اسلام کی بہت بڑی خدمت کی تھی، جس سے آج بھی علم وتربیت کے پیاسے اپنی علمی تشنگی بجھارہے ہیں۔

کچھ لوگ معاشرے میں رہتے ہوئے بھی فردی زندگی گذار رہے ہوتے ہیں، صرف اپنی شخصیت اور ذات تک محدود ہوتے ہیں لیکن جعفری صاحب ایک شخص یا ایک فرد کا نام نہیں بلکہ جعفری مرحوم ایک ادارے اور ایک تربیت یافتہ معاشرے کا نام ہے وہ معاشرہ جو اپنے زیرسایہ کئی افراد کی تربیت کرتا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ اپنے زیرسایہ کئی اداروں کی تربیت کرتا ہے کیوں کہ اس مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے والے اکثر طلاب میں سے ہر ایک اپنے وجود کے اندر ایک ادارہ ہے اور ایسے ہی افراد کے لیے مولاالموحدین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں (اتزعم انک جرم صغیر وفیک انطوی العالم الاکبر) اے انسان! کیا تم اپنے آپ کو ایک چھوٹا سا جسم سمجھتے ہو بلکہ تمہارے اندر بہت بڑا عالم چھپا ہوا ہے۔ مدرسے کی بنیاد رکھنے، طلاب کو علم کے زیور سے آراستہ کرنے کے علاوہ طلاب کی مالی مشکلات اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے قم المقدس اور نجف اشرف جانے والے طلاب کے سفر کے اخراجات بھی حتی الامکان فراہم کرتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے علوم اہل بیت کی ترویج اور تبلیغ کو اپنی زندگی کا وتیرہ بنادیا تھا۔

مرحوم جعفری کی دینی وعلمی خدمات

جعفری مرحوم کی دینی اور علمی خدمات صرف حوزہ علمیہ المہدی (عج) تک محدود نہیں

تھی بلکہ متعدد موارد پر مختلف عنوانات سے دینی اور علمی خدمات انجام دے رہے تھے، کئی موارد پر ہم نے خود مشاہدہ کیا کہ علمی خدمات کے علاوہ ضرورتمند اور غریب مومنین کی مالی رسیدگی بھی کرتے تھے ایسے ہی افراد کے بارے میں پروردگار ارشاد فرماتے ہیں: "وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا انّ اللہ یحبّ المحسنین "(سورہ بقرہ، آیہ: ۹۵) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو اور لوگوں کے ساتھ احسان کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، جعفری صاحب کے ساتھ جن افراد کی زیادہ رفت و آمد تھی انکا آپ کے بارے میں کہنا ہے کہ اس معاشرے میں رہتے ہوئے شرعی حدود میں زندگی کیسے گذاری جائے یہ ہم نے جعفری صاحب سے سیکھا۔

ہم نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ معمولی مشکلات یا بیماری کی وجہ سے پریشان اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن سید آل سیدین جعفری کئی سالوں سے کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا تھے لیکن ہم نے آپ کے دائمی ہنستے مسکراتے چہرے پر کبھی بھی مایوسی کے آثار نہیں دیکھے بلکہ اگر حکمت الٰہی سے پردہ اٹھایا جائے تو یہ بیماری پروردگار عالم کی طرف سے انکا امتحان اور آزمائش تھی اور یہ بھی ایک قسم کی حجت الٰہی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایمان کی کسوٹی پہ تولتا ہے اور وہی لوگ اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں جن کے دل میں اپنے پروردگار پر توکل اور چہرے پر اطمینان کامل ہوتا ہے، اور یہی چیز کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود جعفری مرحوم میں ہم نے محسوس کی، ایسے ہی مومنین کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہوتا ہے (اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انّا للہ و انّا الیہ راجعون) جب ان پر کوئی مصیبت یا مشکل آتی ہے تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلتا ہے "ہم تو اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اسی ذات اقدس کی طرف لوٹ کے جانا ہے"۔

جعفری مرحوم کی علالت کے آخری ایام میں ہم مدیر حوزہ علمیہ المہدی (عج) حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ سلیم کے ساتھ آغا خان ہسپتال انکی عیادت کے لیے جاتے تھے انکی حالت بہت نازک تھی کبھی پہچان پاتے تھے تو کبھی نہیں، لیکن اس عالم میں بھی وہ ہم سے پوچھتے تھے کہ ہمارے مدرسے کے طالب علم کہاں کہاں مصروف عمل ہیں اور جب ہم انکو بتاتے تھے کہ کثیر تعداد میں فارغ التحصیل ہوکر حوزہ علمیہ قم المقدس اور حوزہ علمیہ نجف اشرف میں مشغول تحصیل ہیں اور کافی تعداد پاکستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغ کے کام میں مصروف ہیں تو ان کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ آتی اور کہتے کہ یہی میری آخرت کا سرمایہ ہے۔

انسان کے نیک آثار اور اس کی جاودانگی

یقیناً انسان کی آخرت کا سب سے بڑا سرمایہ اس کے آثار ہوتے ہیں وہ خود تو اس دنیا سے چلا جاتا ہے لیکن اسکے ایسے آثار اسکو مرنے نہیں دیتے بلکہ اسکو ہمیشہ زندہ رکھتے ہیں بالآخر 12-12-2012 دن کو 12 بجے اس بندہ خدا نے داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دار فانی کو الوداع کہا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ جعفری صاحب اگر چہ ظاہراً ہم سے جدا ہوگئے ہیں لیکن آج بھی سیکڑوں علماء اور مومنین کے دلوں میں زندہ ہیں کیونکہ سید آل سیدین جعفری اپنے وجود کے اندر ایک آرگنائیزیشن ، ایک ادارہ اور ایک تربیت یافتہ معاشرہ تھے، وہ یقیناً ائمہ معصومین علیہم السلام کے ہاں سرخرو تشریف فرما ہونگے کیونکہ انہوں نے زندگی میں وہ رسالت اور ذمہ داری نبھائی جس رسالت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء، ائمہ علیہم السلام اور سید آل سیدین جعفری مرحوم جیسا اپنے خاص بندوں کا انتخاب کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوزہ علمیہ المھدی(عج) کی علمی و تربیتی سرگرمیوں پر ایک نظر

مدرسہ المہدی کا تعارف

مدرسہ المہدی معرض وجود میں آنے کے بعد جب علامہ شیخ محسن علی نجفی کی سرپرستی میں دیا گیا اس کے بعد سے لیکر آج تک کتب اہلبیتؑ کی نشر و اشاعت اور ملت کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں شب و روز مصروف ہے۔ یہ مدرسہ مختصر عرصے میں ملک کے صف اول کے مدارس میں شامل ہوا اور اس مدرسے سے اب تک الحمدللہ سینکڑوں تشنگان معارف اہلبیتؑ کسب فیض کر چکے ہیں اور مدرسہ المہدی سے فارغ التحصیل ہونے والے طلاب ملک کے کونے کونے میں دینی، فلاحی اور تعلیمی میدانوں میں تبلیغ دین اور ترویج اسلام میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور کثیر تعداد میں طلاب اپنی اعلیٰ تعلیم کے لئے حوزہ ہائے علمیہ میں تحصیل علم و معرفت میں مشغول ہیں۔

مدرسے کی تعلیمی سرگرمیاں

مدرسے میں اس وقت مقدمات سے لیکر رسائل مکاسب کی تعلیم دی جارہی ہے (طلاب موجود ہیں) مدرسے میں حوزوی تعلیم کے ساتھ ساتھ طلاب کی تربیت اور دور حاضر کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے جدید علوم وفنون کی تعلیم دینے کی بھی کوشش کی جاتی ہے اور

اس مقصد کے لئے قابل تجربہ کار اور مخلص اساتذہ کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ اس وقت مدرسے میں پانچ اساتید تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ چونکہ مدرسہ ایک مختصر زمین (400 گز) پر قائم ہے۔ لہٰذا صرف 34 طلاب کی گنجائش ہے۔ لیکن اس وقت شب باش اور غیر شب باش ملا کر 35 طالب علم مختلف سطوح کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

مدرسہ میں طلاب کو دی جانیوالی مراعات (Facilities)

مدرسے میں طلاب کو مندرجہ ذیل معنوی اور مادی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں:

۱: لائق اور تجربہ کار اساتید کی خدمات

۲: رہائش اور طعام

۳: درسی کتب کی مفت فراہمی

۴: ہر سال عید الفطر کے موقع پر طلاب کو ایک ایک جوڑا کپڑا دیے جاتے ہیں۔

۵: اندرون سندھ کے طلاب کو سال میں تین مرتبہ گھر آنے جانے کا کرایہ دیا جاتا ہے۔ اور شمالی علاقہ جات کے طلاب کو سال میں ایک مرتبہ یک طرفہ کرایہ دیا جاتا ہے۔

۶: طلاب کو علاج معالجے کی مکمل سہولت فراہم کی جاتی ہے۔ خصوصاً بڑے کیسز جیسے آپریشن وغیرہ کے اخراجات جو عام طور پر طلاب یا ان کے والدین کے بس میں نہیں ہوتے، وہ مدرسہ برداشت کرتا ہے۔ اب تک ہیپاٹائٹس، ٹی بی، کان ناک وحلق، اپنڈیکس کے آپریشن اور ڈینگی وغیرہ جیسے کیسز کے علاج و معالجہ کے اخراجات بھی مدرسے کی طرف سے کئے جاتے ہیں۔ اس

کے علاوہ باقی امور مثلاً شادی بیاہ کے سلسلے میں بھی حسب ضرورت ان کی کمک کی جاتی ہے۔ جو طلاب مدرسہ کا کورس مکمل کر کے فارغ التحصیل ہو کر اعلیٰ تعلیم کے لیے حوزہ علمیہ ایران و نجف جاتے ہیں ان کے سفر کے مکمل اخراجات مدرسہ برداشت کرتا ہے۔

اس کے علاوہ طلاب کی دیگر ضروریات کا حتیٰ الامکان خیال رکھا جاتا ہے اور ان کی ہر ممکن مدد کی جاتی ہے۔

مدرسہ کے تمام اخراجات وجوہات شرعیہ اور مخیر حضرات کے توسط سے فراہم کیے جاتے ہیں۔

مدرسہ المہدی حوزوی دروس کی تدریس کے علاوہ جن امور پر کام کرتا ہے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اول : مدرسہ کے اندر طلاب کے لیے:

(الف) کمپیوٹر کی تعلیم (ب) فن خطابت (ج) انگلش، عربی اور فارسی لینگویج کی تعلیم (د) مقالہ نویسی۔

طلاب کی مقالہ نویسی پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں کچھ عرصہ پہلے ایران کے خانہ فرہنگ کراچی کی طرف سے منعقد مقالہ نویسی کے مقابلے میں مدرسہ المہدی کے طلاب نے نمایاں پوزیشن اور انعامات حاصل کیے۔

مدرسہ سے باہر انجام دیے جانے والے امور:

(الف) ماہ مبارک رمضان اور محرم الحرام میں اندرون سندھ مبلغین بھیجنا۔

(ب) موسم گرما میں مختلف دینی تنظیموں کی طرف سے تربیتی ورکشاپ کا انتظام جیسے: ذاکر نورانی گروپ، پی اے ایف گروپ، اصغریہ، آئی او اور نجفی ہال (اقبال نورانی صاحب) وغیرہ۔

(ج) ضرورت کے موقع پر بعض مساجد میں امام جماعت کے فرائض انجام دینے کے لئے اساتید اور طلاب کی خدمات پیش کرتے ہیں۔

(د) شیعہ بچوں کی بنیادی تعلیم اور تربیت کے لیے مکاتب تاسیس کرنا۔

وہ مکاتب جو مستقیماً مدرسہ کی طرف سے چل رہے ہیں انکے تمام اخراجات مدرسہ کے ذمہ ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے مکاتب ہیں جن کی مدرسہ المہدی سرپرستی کرتا ہے ان میں سے:

(الف) مدارس امامیہ جن کی تعداد، اور بچے 2500، اور اساتید 22 ہیں۔

(ب) مدارس امیر المومنین جن کی تعداد اور بچے 1000 ور اساتید کی تعداد 20 ہے۔

ان میں مدرسہ المہدی بحد توان مساعدت کرتا ہے۔

مدرسے سے فارغ التحصیل طلاب کی خدمات

مدرسہ ہذا سے فارغ شدہ طلباء ملک کے گوشہ و کنار میں تبلیغ دین اور ترویج معارف اہلبیت (ع) میں مصروف عمل ہیں۔ ان میں سے بعض دینی مدارس میں تدریس، بعض کالج و یونیورسٹی میں اور بعض مساجد و علمی مراکز میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اس وقت شہر کراچی میں 15،

اندرون سندھ میں 25،

پنجاب میں 5،

بلوچستان میں 3،اور گلگت وبلتستان میں 20 کی تعداد میں مدرسہ المہدی (عج) کے فارغ التحصیل طلباء مشغول تبلیغ دین ہیں۔

ساٹھ 60 سے زائد طلاب کرام حوزہ علمیہ نجف اشرف، حوزہ علمیہ قم المقدس اور حوزہ علمیہ مشہد مقدس میں مزید تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔اسی طرح تقریباً 15 کی تعداد میں فارغ شدہ طلباء جامعۃ الکوثر اسلام آباد و دیگر حوزات علمیہ میں مزید علمی مدارج طے کر رہے ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بانی مدرسہ مرحوم سید آل سیدین جعفری کو جوار ائمہ (ع) اطہار میں جگہ عنایت فرمائے اور ہم سب کو اس علمی مرکز سے صحیح طور پر استفادہ کر کے ملک وقوم کی علمی میدان میں خدمت کر کے ہر جگہ علمی شمع روشن کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سید آل سیدین جعفری کی رحلت پر علماء کرام کے تاثرات

وکیل المراجع حضرت حجۃ الاسلام الحاج شیخ علی مدبر (دام عزہ)

باقیات الصالحات

اَلْمَالُ وَ الْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ الْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَ خَيْرٌ أَمَلًا. (سورہ کہف: آیہ ۴۶)

قرآن کریم کے مطابق مال اور اولاد کو دنیوی زندگی کی زینت اور باقیات الصالحات میں شمار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اپنی زندگی کے دوران مال کو نیک کام میں لانا اور اسے آخرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صرف کرنا چاہیے۔ مثلاً مسجد و امام بارگاہ کی تعمیر کی جائے جہاں پر خدا کی عبادت کی جاتی ہے اور اہلبیت عصمت و اطہار کی تعلیمات کو بیان کیا جاتا ہے، اسی طرح سے مدارس دینیہ کا قیام ہونا چاہئے جہاں پر انہی مسجدوں کو آباد کرنے اور امام بارگاہوں کو معارف اہلبیت کا مرکز بنانے والے علماء کی تربیت کی جاتی ہے۔

اسی طرح اولاد کی اس طرح سے تربیت کرنی چاہئے کہ وہ نیک اور صالح ہو جائے تا کہ روزِ قیامت وہ ماں باپ کے لئے باقیات صالحات بن سکے، بصورت دیگر

قرآن کی ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ مال اور اولاد فتنہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ چنانکہ ارشاد ہوتا ہے: "واعلموا انما اموالکم واولادکم فتنة" (سورہ انفال،28) چنانچہ مرحوم آل سیدین جعفری نے اپنے مال پر خمس ادا کرنے کے بعد، ایک دینی عالیشان درسگاہ "مدرسہ المہدی" کے نام سے قائم کی۔ لہٰذا انسان کا مال اس کی وفات کے بعد اس کے کام آئے اور اس کے لئے باعث مغفرت بن جائے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

خداوند عالم مرحوم کی مغفرت فرمائے اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آہ: آل سیدین جعفری

من مات علی حب آل محمد مات شہیدا

مجھے نہیں معلوم کہ والد صاحب (شیخ علی مدبر) اور مرحوم سید آل سیدین جعفری کی دوستی کب سے تھی۔ جب سے ہوش سنبھالا ایک نام ہمیشہ والد صاحب ہر کام کے سلسلے میں کثرت سے لیتے وہ جعفری صاحب کا ہوتا، جعفری سے مشورہ کرونگا، جعفری سے معلومات لونگا، جعفری کو بتاوں گا، انھی کا نام ہوتا تھا۔ گذر زمان کے ساتھ ساتھ ان سے آشنائی بھی ہوگئی اور ان کی شخصیت کی خصوصیات بھی واضح ہوئی۔

مرحوم آل سیدین جعفری بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے جو ایک اچھے اور انسان کامل کے لئے ہونی چاہیے، اور انھی خصوصیات کی وجہ سے والد صاحب ان کے بہت معتقد اور اچھے دوست تھے، ویسے تو والد صاحب رفاقت میں اپنی مثال آپ ہیں لیکن دوست کے چناؤ میں وہ خاص خیال رکھتے ہیں اور وہ تمام شرائط جو ایک اچھے دوست کے اندر ہونی چاہیے مرحوم جعفری کے اندر بطور اتم موجود تھیں۔ مرحوم کی کچھ خصوصیات کا بطور خلاصہ ذکر کرتے ہیں۔

۱: محبت محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مرحوم جعفری محبت اھل البیت علیہم السلام میں فنا شدہ شخصیت تھے۔ اور ہمیشہ آئمہ معصومین علیہم السلام کو حاضر سمجھتے، ان کے ہر کام میں 12 اور 14 کے اعداد کا بہت دخل تھا اسکی وجہ بھی ان ہستیوں کا ہمیشہ ان کے ذہن میں رہنا اور یاد کرنا تھا۔ مدرسہ المہدی کی تعمیر میں

بھی ان اعداد کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور اپنے ہر کام کو ان سے منسوب کرتے تھے۔

۲: سادہ زیستی

خدا کی خاص عنایات ہمیشہ ان کے شامل حال رہیں اور مالی لحاظ سے مجھے کبھی پریشان نہیں دیکھائی دیے اور مدرسہ المھدی کو بطور کامل اپنے ذاتی مخمس سرمایہ سے تعمیر کیا اور کسی سے بھی مدد نہیں لی، لیکن اس کے باوجود ان کی زندگی میں کوئی دنیاوی دیکھاوا اور رکھ رکھاو دیکھائی نہیں دیتا تھا، اور ہمیشہ سادگی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے جب بھی ان کے دفتر جانا ہوا اس میں دنیاوی ساز وسامان سے خالی اور ایک سادہ سا دفتر دیکھائی دیا، وہ ہر لحاظ سے سادگی کے قائل تھے اور کسی تکلف میں نہیں پڑتے تھے، ہر چھوٹے بڑے سے بطور یکسان ملتے اور احترام کرتے۔

۳: عمل میں اخلاص

مرحوم جعفری صاحب ان افراد میں سے تھے جو خدا سے معاملہ کرتے ہیں اور ہر چیز میں خدا کی رضایت اور ثواب اخروی کو مدنظر رکھتے تھے، مرحوم: الدنیا مزرعة الآخرة ، دنیا آخرت کی کھیتی ہے: کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور اسی لئے خدا کے ساتھ معاملہ کرنے میں سمجھداری سے کام لیا اور دنیا میں ایسے کام کر کے گئے کہ ان کی آخرت کا انتظام ہوتا رہیا اور یہ سلسلہ کسی طریقہ سے بند نہ ہو اور ثواب جاری جریان میں رہے۔

مدرسہ المھدی کی مسؤلیت حجۃ الاسلام شیخ غلام محمد سلیم کے ذمے میں دینے کے بعد اس سلسلہ میں مرحوم سے سوال کیا گیا، تو فرمانے لگے: میں ایک تاجر ہوں اور ہر کام میں نفع اور

نقصان کو دیکھتا ہوں۔ جیسے کہ معصوم کا فرمان ہے: اِنّہ لیس لانفسکم ثمن الا الجنۃ فلا تبیعُوھا اِلّا بھا، اے انسان تیری قیمت صرف جنت ہے، لہٰذا اس سے کم پر مت بیچو۔ اور خدا سے تجارت ایک عظیم تجارت ہے، انھا تجارۃ عظمیٰ۔ یعنی خدا کے ساتھ تجارت ایک منافع بخش تجارت ہے۔ مدرسہ بھی میں نے اسی نیت سے بنایا ہے کہ خدا مجھے اس سے ثواب دے اور میری عاقبت بخیری ہو۔ میں طلاب کے ہر کام اور ہر چیز میں شریک رہنا چاہتا ہوں، ان کی پڑھائی، ان کی نیند، مباحثہ اور عبادت۔ اور میں نے دیکھا کہ مدرسہ چند ساعت کی تدریس کے بعد بند ہو جاتا ہے اور میں بقیہ ثواب سے محروم ہوتا ہوں۔ میں اس مدرسے میں صبح و شام امام صادق کے شاگردوں کو تعلیم حاصل کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں اور ان کے عبادت اور تلاوت کی آوازیں اس میں سنائی دیتی رہے اور مجھ ناچیز کو بھی ثواب ملے۔

روایات میں ہے کہ انسان کی موت کے بعد اس کے اعمال کی فائل بند ہو جاتی ہے مگر اس شخص کی فائل کھلی رہتی ہے جو نیک اولاد یا موقوفات کا مالک ہو۔ مرحوم جعفری نے اس پر عمل کرتے ہوئے اپنے بعد بھی ثواب جاریہ کے سلسلے کو جاری رکھا اور جب تک مدرسہ میں تعلیم ہے اور طلاب علوم محمد ﷺ و آل محمدؑ ہیں ان کیلئے ثواب جاری و ساری ہے اور یہ ان کے اخلاص عمل کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔

۴: با اعتماد اور رازدار

مرحوم آل سیدین جعفری ایک اچھے رازدار اور با اعتماد شخصیت کے مالک تھے۔

والد صاحب ہمیشہ ان کے پاس اپنی امانات رکھتے اور ان کو اپنا ہمراز بناتے تھے۔ ہر مسافرت سے پہلے جعفری صاحب سے ملاقات کرنا ان پر لازم تھا اور ان کو تمام امور سے آگاہ کرتے۔ ایک عالم دین فقط ایسے شخص پر اعتماد کرتا ہے جس کے بارے میں اس کو یقین کامل ہو کہ وہ امین، راز دار اور با اعتماد ہو۔ اور مرحوم جعفری بھی اسی طرح کا اعتماد اور اعتبار والد صاحب پر کرتے تھے۔

مرحوم جعفری صاحب کی رحلت سے جو نقصان مکتب امام صادقؑ اور بالخصوص مدرسہ المہدیؑ کو ہوا ہے اس کا اندازہ بہت مشکل ہے اس کے ساتھ ساتھ بہت سارے لوگ ایک اچھے دوست اور با اعتماد ساتھی سے بھی محروم ہوئے ہیں۔

خدا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت کرے اور ان کی درجات کو عالی قرار دے اور ان کے گھر والوں کو صبر کی توفیق عنایت کرے۔

والسلام

ذاکر حسین مدبر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حجة الاسلام سید طٰہٰ موسوی

محترم المقام حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین استاد گرامی الحاج شیخ غلام محمد سلیم مدیر مدرسۃ المہدی کراچی

السلام علیکم

کل نفس ذائقة الموت۔ مرحوم ومغفور سید آل سیدین جعفری کی دلسوز وفات پر بصد حسرت ان کے خانوادہ اور مدرسۃ المہدی کے مسؤلین وطلاب کی خدمت میں تعزیت و تسلیت عرض کی جاتی ہے۔ یقیناً یہ ایک صدمہ اور ملی نقصان ہے۔

مرحوم کی ذات محتاج تعارف نہیں خصوصاً مدرسۃ المہدی جس کا شمار اس وقت پاکستان کے معروف ومعیاری مدارس میں ہوتا ہے، کی تاسیس میں ترقی میں ان کا تعاون اور خدمات ناقابل فراموش ہیں، ساتھ ہی طلاب کے ساتھ انکا مشفقانہ تعاون بھی ہمیشہ سے قابل رشک رہا ہے۔ نتیجتاً آج مدرسہ ہذا کے فارغ التحصیل طلباء حوزہ ہائے علمیہ قم ونجف میں امتیازی مقام رکھتے ہیں اور ملک کے گوشہ وکنار میں تبلیغاتی امور میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔

اسی مناسبت سے جامع مسجد چھورکاہ سب ڈویژن شگر میں بعد نماز جمعہ اجتماعی فاتحہ خوانی کی گئی اور امام جمعہ نے مرحوم سید جعفری کی ملی خدمات پر روشنی ڈالی اور آخر میں مرحوم کی مغفرت اور درجات کی بلندی، پسماندگان کو صبر جمیل، مدرسۃ المہدی کے مدیر اور اساتید کی سلامتی وطول عمری اور ادارے کی ترقی کے لئے اجتماعی دعا بھی کرائی گئی۔

شریک غم

سید محمد طٰہٰ الموسوی، امام جمعہ جامع مسجد چھورکاہ وصدر انجمن امامیہ شگر بلتستان۔

مرحوم جعفری کی اعلیٰ شخصیت کے چند پہلو

از: ڈاکٹر سید عابد حسین زیدی

مرحوم سید آل سیدین جعفری صاحب ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے کہ جنکی پوری زندگی خدمت علم وعلماء سے عبارت تھی۔ آج پاکستان بلکہ حوزہ ہائے علمیہ قم ونجف میں ان کے لگائے ہوئے ثواب جاریہ کے پھول وپھل، طالب علم اور علماء شجر اسلام کی آبیاری میں مصروف عمل ہیں۔ مرحوم انتہائی اعلیٰ اخلاق کے باعث خاص وعام میں یکساں مقبول تھے، صرف ایک بار ملنے والے کے دل دماغ پر اپنے اخلاق کا انمٹ نقش چھوڑ جاتے تھے۔ محبت اہلبیت میں دل ایسا سرشار رہتا تھا کہ اِدھر ذکر اہلبیت ہوتا اُدھر آنکھیں اشک بہانے لگتی تھیں اور آواز رُندھ جاتی تھی۔ اگرچہ زیارات عتبات عالیہ سے کئی بار مشرف ہو چکے تھے مگر انتقال سے پہلے آخری بار کربلائے معلّٰی کی زیارت کا شدید شوق دل میں پیدا ہوا مگر بیماری اور معالجوں نے اجازت نہ دی۔ لیکن کیا معلوم تھا کہ قبر کی زیارت سے بڑھ کر خود صاحب قبر کے چہرہ انور کی براہ راست زیارت ہی کا شرف حاصل ہو جائے گا۔

شدید بیماری کے باوجود زبان ذکر الٰہی، حمد وشکر کے کلمات اور ذکر امام زمانہؑ میں مصروف رہتی تھی۔ گھر والے حیرت سے اس چیز کا مشاہدہ کرتے تھے کہ تقریباً بیہوشی جیسی کیفیات میں بھی دعائے سلامتی امام زمانہؑ، قرآنی سورہ اور وہ تمام تعقیبات جو عموماً نمازوں میں پڑھا کرتے اس غشی کے عالم میں بھی وردِ زبان رہتی تھیں۔ انتقال سے چند دن پہلے روز عاشور مسلسل امام حسینؑ اور امام زمانہؑ پر درود وسلام بھیجتے رہے۔

مرحوم کی شخصیت کا ایک بہترین پہلو یہ بھی تھا کہ اپنے جدّ بزرگوار مولا علی بن ابی

طالبؑ کی سیرت کی پیروی میں موت سے بالکل خوف نہ کھاتے تھے کیونکہ اپنے آخرت کے گھر کو نیک کاموں کے ذریعے آباد کر رکھا تھا بلکہ بہت عقلمندی، ہوشیاری اور غیر جذباتی انداز میں اپنی موت کے سلسلے میں باتیں کرتے، وصیتیں کرتے اپنی نواسی کو بلا کر وصیتوں کو لکھواتے، علماء سے شرعی مسائل معلوم کر کے اپنی موت کے سلسلے میں نیک کاموں کی پلاننگ کیا کرتے تھے۔

مرحوم کی علم دوستی کا یہ عالم تھا کہ اپنے گھر میں اس وقت علمی محافل و دروس کا انعقاد کرواتے تھے کہ جب کراچی میں گھروں میں ایسی محافل یا دروس کے انعقاد کا رجحان بھی پیدا نہ ہوا تھا گویا اس معاملے میں "سابقون الاوّلون" میں سے تھے۔ دینی خدمات کے باوجود اپنے نیک کاموں کی تشہیر یا ذکر کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ زبان کے معاملے میں سخت محتاط تھے بہت مختصر اور جامع بات کیا کرتے تھے خصوصاً غیبت کے گناہ سے سخت نفرت کرتے تھے۔

آل سید ین جعفری صاحب کی شخصیت کی نمو میں ان کی زوجہ محترمہ کا بڑا ہاتھ تھا۔ ان کے گھر والوں نے پوری بیماری میں مرحوم کی مثالی خدمت انجام دی کہ اس موقع پر اس کا تذکرہ نہ کرنا زیادتی محسوس ہوتا ہے اور ابھی بھی پورا خانوادہ ان کے لئے مسلسل اعمال خیر انجام دے رہا ہے جو یقیناً مرحوم کے لئے درجات کی مزید بلندی کا باعث بنے گا۔

آل سید ین جعفری 75 سال کی عمر کو مسلسل دین کے لئے خدمات میں صرف کر گئے اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو یہ پیغام دے گئے کہ دنیا میں منہمک ہو کر اپنی آخرت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنی دنیا ہی کے ذریعے آخرت کو کما لینا چاہیے، مدرسۃ الہدیٰ کی عمارت اور اس میں پڑھنے والے یا فارغ التحصیل ہونے والے طلاب جعفری صاحب کی وہ باقیات الصالحات ہیں جن کے آثار و ثواب سے جعفری صاحب کی روح سرشار ہو گی اور وہ یقیناً اپنی دینی خدمات کے باعث جوار محمد ﷺ و آل محمدؑ مقامات عالیہ پر فائز ہونگے۔

سید ارشد حسین زیدی کے مشاہدات

(مرحوم جعفری کے قریب ترین اور کاروباری انچارج)

سید آل سیدین جعفری مرحوم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، مرحوم کے ساتھ جس کسی کی، کسی بھی حوالے سے رفت و آمد رہی وہ آپ کی شخصیت کا گرویدہ ہو جاتا تھا، معلوم نہیں آپ کی شخصیت میں یہ جادوئی اثر کہاں سے تھا لیکن آپ کی کچھ خصوصیات ایسی تھیں جن کا اثر انکی شخصیت میں نمایاں تھا، جن میں سے کچھ کو ذکر کر رہے ہیں:

(۱) کاروباری امور میں دیانتداری اور امانتداری

آج کل کاروباری دنیا کے لوگوں نے دین اور شریعت میں بتائے گئے کاروباری اصول اور قواعد کے برخلاف اپنی ضرورتوں کے مطابق اصول اور قواعد بنا رکھے ہیں؛ مثلاً جھوٹ، خیانت، دھوکا اور دینی اصولوں کی خلاف ورزی وغیرہ جس کا نتیجہ کاروبار میں ناکامی، عدم اطمینان، پریشانیاں اور عذاب الٰہی کے علاوہ کچھ نہیں، لیکن اسی کاروباری دنیا میں انہیں لوگوں کے درمیان بہت کم ایسے افراد ہوتے ہیں جو شرعی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے کاروبار کرتے ہیں انہیں متدین اور شرعی اصولوں کی پابندی کرنے والے افراد میں سید آل سیدین جعفری کی شخصیت نمایاں نظر آتی ہے۔ حساب کتاب میں بہت دقیق ہوتے تھے اور مرحوم کی کاروبار میں دیانت اور امانتداری کا یہ علم تھا کہ باہر سے آنے والے کاروباری لوگ اگرچہ مرحوم

کے ساتھ انکی فکری ہم آہنگی نہیں تھی اس کے باوجود وہ لوگ ان پر حد سے زیادہ اعتماد کرتے تھے اور اپنا سرمایہ مرحوم کے پاس امانت رکھواتے تھے۔

(۲) جعفری مرحوم کا اپنے اسٹاف کے ساتھ برتاو

عموماً معاشرے میں جو چیز نظر آتی ہے وہ یہ کہ اسٹاف اور ملازمین وغیرہ اپنے آفیسر یا باس کا احترام دو وجہ سے کرتے ہیں، یا خوف سے یا لالچ میں، اسکے برعکس جعفری صاحب کا اپنے اسٹاف، ملازمین اور متعلق افراد سے ایسا برتاو اور رویہ تھا کہ آفیس کا اسٹاف یا ملازمین ان کو اپنے باپ کا مقام دیتے تھے اور دل کی گہرائیوں سے انکا احترام اور عزت کرتے تھے، مرحوم ان کے ساتھ ہمیشہ مہربانی اور شفقت سے پیش آتے تھے، کبھی بھی ان کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، یہاں تک کہ جب باہر ممالک سے کاروباری سلسلے میں مہمان آتے تھے تو کھانے پہ ڈرائیور وغیرہ جو بھی ملازم ساتھ ہوتا ان کو بھی اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ اپنے سٹاف کے لوگوں کی مشکلات کو حتی الامکان حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۳) جعفری مرحوم کی کاروباری دنیا میں کامیابی کا راز

ایک تو شرعی اصولوں کی پابندی دوسرا دیانت اور امانتداری اور تیسری اور بڑی وجہ یہ تھی کہ مرحوم حساب و کتاب میں بہت دقیق تھے یہاں تک کہ اپنے انتقال کے تقریباً چار ماہ پہلے ایک ایک روپیہ کا حساب کر دیا تھا اور اس سے بھی بڑی اور کامیابی کی اصل وجہ جو مرحوم خود بیان کرتے تھے وہ یہ کہ کئی مرتبہ کاروبار میں ان کے مدمقابل لوگ آئے اور مرحوم کے کاروبار کو فیل یا

دبانا چاہا لیکن ناکام ہو گئے مرحوم کے کاروبار پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں پڑا اسکی وجہ مرحوم خود یہ بیان کرتے تھے کہ جب سے میں نے مدرسے کی بنیاد رکھی ہے تب سے یہ برکات اور تائیدات الٰہی اور ائمہ معصومین کی نظر کرم میرے شامل حال ہوا ہے۔

(۴) مشکلات میں صبر و تحمل کرنا

میں تقریباً بیس سال سے سید آل سید ین جعفری کو جانتا ہوں اور تقریباً بارہ سال ان کے ساتھ رہا، میں نے مرحوم میں ایک خصوصیت ایسی مشاہدہ کی جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کل سے مشکل حالات میں صبر و تحمل کرنا اور اپنے نفس پر کنٹرول کرنا، مرحوم کو اپنے نفس پر بہت کنٹرول تھا، اگر کوئی سامنے بھی ان کو کچھ کہتا تو اس کو مسکرا کر ایسا مودبانہ جواب دیتے کہ وہ خود شرمسار ہو کر ان سے معافی مانگ لیتا، صرف اپنے پروردگار پر توکل رکھتے اور عزت اور ذلت صرف اپنے خالق کی طرف سے سمجھتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سید آلِ سیدین جعفری کے انتقال پرُملال پر طلاب مدرسہ المہدی (عج) کا اظہار تعزیت

جعفری مرحوم بہت خوش نصیب تھے کہ انہوں نے دنیا میں ایسے صدقہ جاریہ کا اہتمام کر گئے کہ ان کی رحلت کے بعد نہ صرف مدرسہ المہدی کراچی بلکہ قم اور نجف کے علاوہ جہاں پر بھی مدرسہ المہدی کے طلاب مصروف تبلیغ ہیں، انہوں نے جعفری کی وفات پر غم و اندوہ کا اظہار کیا۔ مرحوم آل سیدین کے انتقال پرُ ملال پر اس وقت موجود طلاب بھی ان کی تشییع جنازہ میں شریک ہوئے اور مدرسے میں پانچ دن تک سوگ منایا اور مجلس ترحیم منعقد کی، اس کے بعد مرحوم کے سوم سے لیکر چہلم تک روزانہ ایک قرآن مجید کا ختم اور مرحوم کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے فاتحہ خوانی اور طلب مغفرت کے لئے دعا کرتے رہے۔

قم المقدس میں مرحوم کے لئے مجلس ترحیم

مدرسہ المہدی سے فارغ التحصیل ہو کر حوزہ علمیہ قم میں اعلیٰ تعلیم میں مصروف طلاب اور علماء کو جب مرحوم کے انتقال کی خبر ملی تو شدید غم اور افسوس کا اظہار کیا اور مرحوم کی مغفرت کے لئے نماز وحشت قبر اور ان کے ایصال ثواب کے لئے اور مجلس ترحیم، فاتحہ اور قرآن خوانی کا انعقاد کیا۔

نجف اشرف میں مرحوم کے لئے قرآن خوانی اور فاتحہ کا اہتمام

مدرسہ المہدی سے فارغ التحصیل ہو کر حوزہ علمیہ نجف میں اعلیٰ تعلیم میں مصروف طلاب اور

علماء کو بھی جب مرحوم کے انتقال کی خبر ملی تو شدید غم کا اظہار کیا اور مرحوم کی مغفرت کے لئے نماز وحشت قبر اور ان کے ایصال ثواب کے لئے فاتحہ، قرآن خوانی اور مجلس ترحیم کا انعقاد کر کے مولائے متقیان حضرت علیؑ کی بارگاہ ملکوتی میں مرحوم کی مغفرت کے لئے دعا کی۔



نجف اشرف میں مجلس ترحیم



نجف اشرف میں مدرسہ المہدی کے فارغ التحصیل طلباء کا گروپ فوٹو

جامعۃ الکوثر اسلام آباد میں قرآن خوانی اور فاتحہ کا اہتمام

مدرسہ المہدی سے گئے ہوئے طلاب اور جامعۃ الکوثر کے طلاب نے بھی مرحوم کی بلندی درجات کے لئے فاتحہ، قرآن خوانی اور مجلس ترحیم کا اہتمام کیا۔

مجلس ترحیم و فاتحہ خوانی میں شریک طلاب سید آل سیدین جعفری مرحوم کے بارے میں اپنے تاثرات یوں قلمبند کئے:

"کل نفس ذائقۃ الموت" کے الٰہی اصول کے تحت دنیا میں آنے والے ہر انسان نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ سید آل سیدین جعفری غفر اللہ عنہ ایک سچے مسلمان اور عاشق اہل بیت مومن تھے جو کہ کراچی میں کچھ عرصہ پہلے وفات پا گئے۔

جعفری مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے جامعہ الکوثر اسلام آباد میں ایک مجلس ترحیم منعقد ہوئی جس میں جامعہ کے اساتذہ، طلبا اور ملازمین نے شرکت کی اور مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی، مجلس و فاتحہ خوانی کی گئی۔

کتب اہل بیت کی ترویج کے لیے جعفری مرحوم کا دل ہر وقت دھڑکتا تھا چنانچہ انہوں نے اپنے ذاتی سرمائے سے کراچی کے بفرزون علاقے میں ایک عظیم الشان دینی مدرسہ بنام مدرسہ المہدی کی تعمیر کرائی اور مفسر قرآن علامہ شیخ محسن علی نجفی کے حوالے کر دیا۔ اب تک اس مدرسہ مبارکہ سے سینکڑوں تشنگان علوم اہل بیتؑ فیضیاب ہو چکے ہیں اس دینی درسگاہ کا سلسلہ یقیناً جعفری مرحوم کے باقیات صالحات کے طور پر جاری رہے گا۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت اور اپنے اجداد طاہرینؑ کے جوار میں جگہ، لواحقین کو صبر جمیل و مکتب اہل بیت علیہم السلام کی مزید خدمت انجام دینے کی توفیق عنایت فرمائے۔



جامعہ الکوثر کے طلاب جعفری مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کر رہے ہیں

جامعہ الکوثر میں قرآنی کے بعد مجلس عزاء منعقد ہوئی، خطیب محترم نے مرحوم جعفری کی دینی مدرسے کی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم نے ایک عظیم الشان دینی مدرسے کی تاسیس کر کے پوری قوم کے لئے دینی خدمات انجام دینے والے علماء کے لئے ایک علمی، فکری اور تربیتی دینی ادارہ قائم کیا جس سے فارغ ہونے والے طلاب ملک کے گوشہ و کنار میں مصروف تبلیغ ہیں۔



مجلس فاتحہ خوانی میں علامہ شیخ محسن علی نجفی (دام عزہ) بھی موجود ہیں

بلتستان میں قرآن خوانی اور فاتحہ کا اہتمام

بلتستان میں جہاں جہاں مدرسے کے فارغ التحصیل طلاب مصروف عمل ہیں اور خاص طور علاقہ شگر میں مدرسہ المہدی اور قم کے فاضل حجۃ الاسلام مولانا سید طٰہٰ موسوی نے نماز جمعہ میں فاتحہ اور اس کے بعد مجلس ترحیم کا انعقاد کیا۔





جشن الوداعی کی تصویری جھلکیاں

سنہ 2010ء میں مدرسہ المہدی (عج) سے فارغ التحصیل ہونے والے طلاب کے اعزاز میں ایک پر وقار الوداعی پارٹی کا انتظام کیا گیا اس میں مرحوم سید آل سیدین جعفری نے خصوصی طور پر شرکت کی۔



مرحوم جعفری طلاب مدرسہ کے ساتھ



مرحوم جعفری ڈاکٹر عابد اور مدرسہ کے اساتید کے ساتھ



مرحوم جعفری مدیر مدرسہ اور بعض طلاب کے ساتھ



مرحوم جعفری ڈاکٹر عابد اور مولانا کرم دین کے ساتھ



مرحوم جعفری نجف اشرف جانے والے طلاب کے ساتھ



سرپرست مدارس اہل بیت علامہ شیخ محسن علی نجفی دام ظلہ مدرسہ المہدیؑ کے جشن میں خطاب فرما رہے ہیں



مرحوم جعفری مدرسہ المہدیؑ کے دفتر میں شیخ سلیم اور شیخ مہدی کوروی کے ساتھ

مجتہدین عظام و مراجع تقلید کے اجازہ نامے

وجوہات شرعیہ کے حوالے سے مدرسہ المہدیؑ کو گذشتہ اور موجودہ متعدد مجتہدین عظام و مراجع تقلید کے اجازہ نامے حاصل ہیں۔ موجودہ مراجع عظام جن کے اجازت نامے حاصل ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ رہبر معظم انقلاب حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای (دام ظلہ العالی)

۲۔ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی حسینی سیستانی (دام ظلہ العالی)

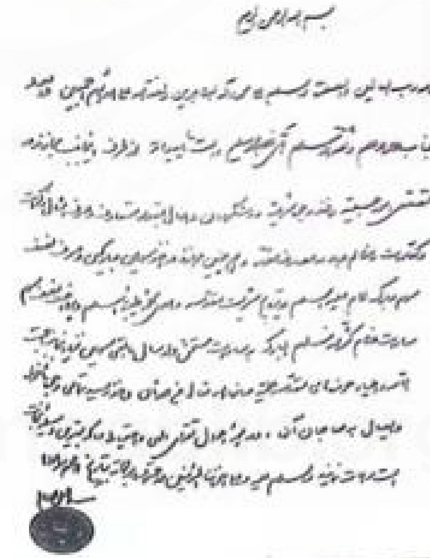
۳۔ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی (دام ظلہ العالی)

۴۔ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ لطف اللہ صافی گلپائگانی (دام ظلہ العالی)

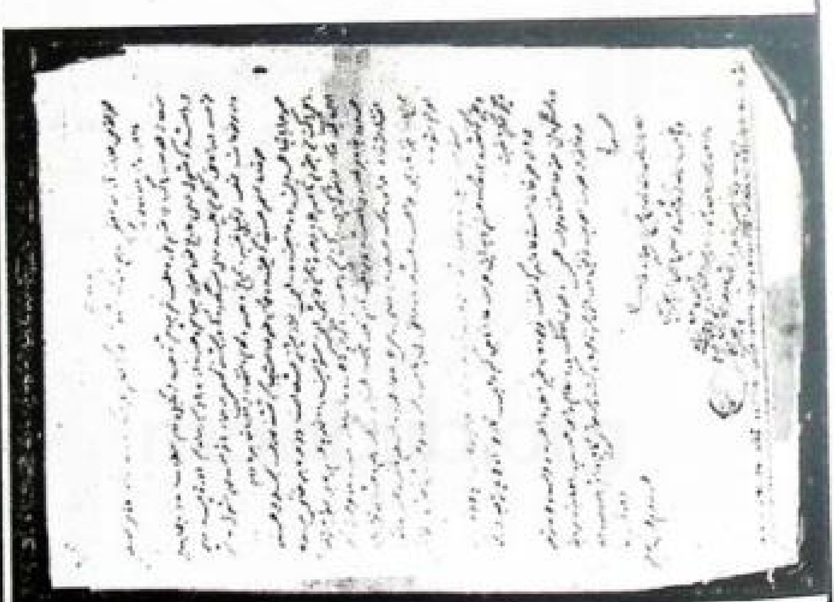
۵۔ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد سعید طباطبائی (دام ظلہ العالی)

۶۔ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ بشیر حسین نجفی (دام ظلہ العالی)

رہبر معظم انقلاب کے اجازہ نامہ کی کاپی

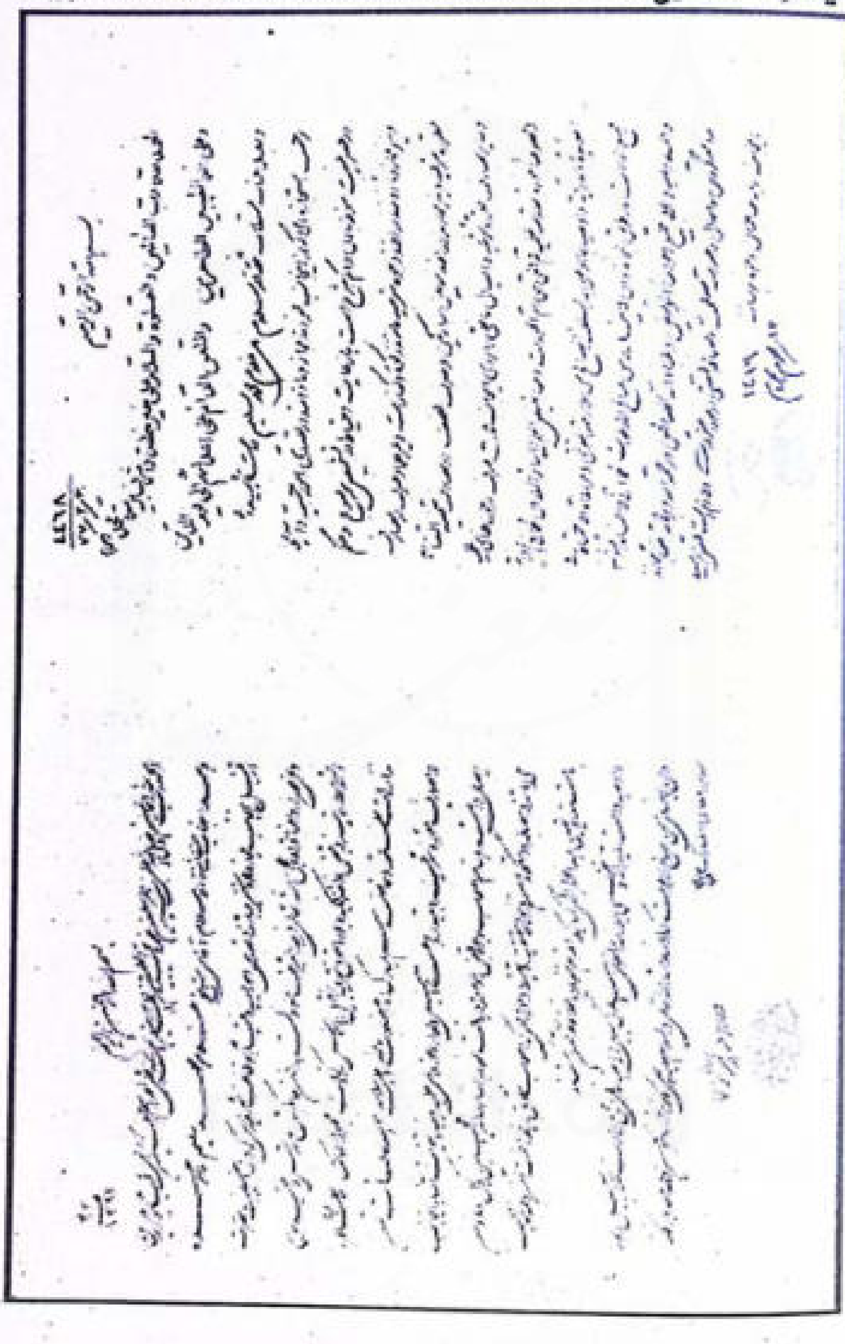




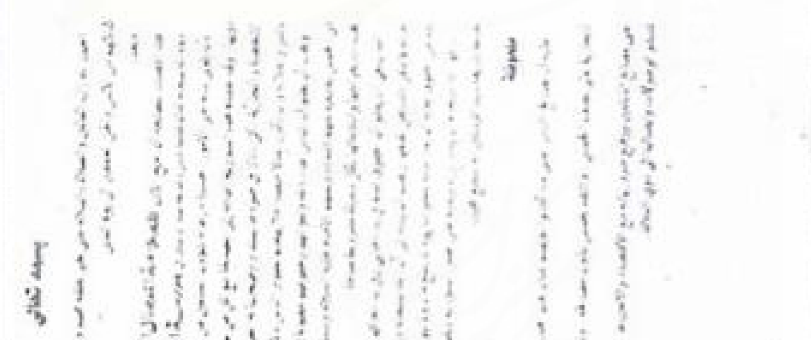





بسم الله الرحمن الرحيم



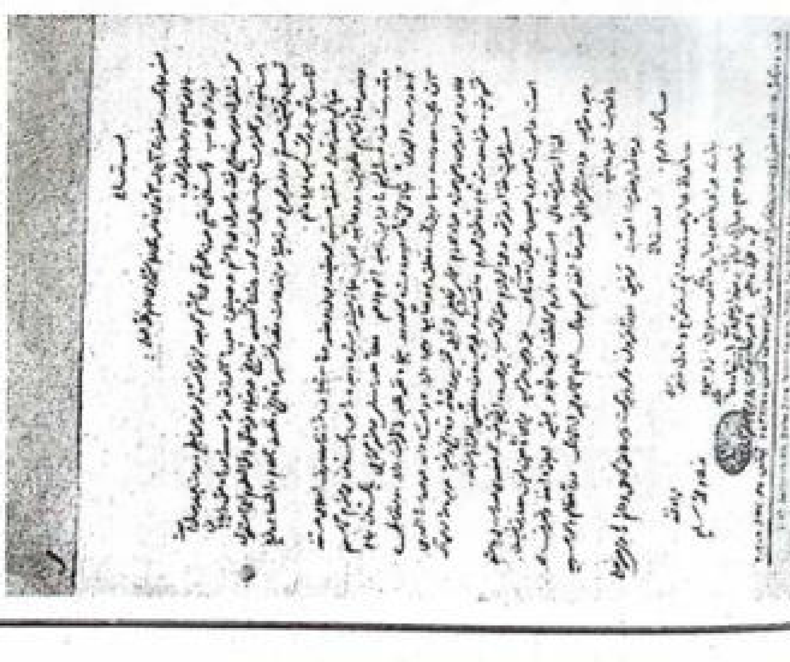






Madarsa-tul-Mahdi

مدرسة المهدی



ضمیمہ:

أمید سحر

یہ وہ مقالات ہیں جنہیں پانچ سال پہلے مدرسہ المہدیؑ کے گروہ تحقیق کے طلاب نے حضرت امام زمانہؑ کے متعلق تحریر فرمائے تھے۔

مقالہ 1: عصر غیبت اور ہماری ذمہ داریاں

(غلام محمد حافظی)

تمام مسلمانوں کی کتب حدیث میں مذکور نبی کریم ﷺ کی متواتر حدیث ہے:

من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ (ینابیع المودۃ ج ۳، ص ۱۵۵، بحار؛ ج: ۲۳۔ ص ۷۷) ہر وہ شخص جو مر جائے لیکن اسے اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا ہے۔

تمہید:

اکثر دانشور احادیث کی اتباع کرتے ہوئے انسانی معاشرے بلکہ تمام کائنات کے لیے پیغمبر ﷺ یا امامؑ کے وجود کو اسی طرح ضروری سمجھتے ہیں جس طرح انسانی جسم کے لیے دل کا وجود ضروری ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جب دل دھڑکتا ہے تو خون تمام رگوں میں گردش کرتا ہے، جس کے نتیجے میں بدن کے تمام خلیات کو غذا حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ اور امام معصومؑ کا وجود بھی ایک انسان کامل اور انسانی قافلے کے رہنما کی حیثیت سے فیض الٰہی کے نزول کا سبب بنتے ہیں۔ لوگ نبی ﷺ و امامؑ سے اپنی صلاحیت کے مطابق کسب فیض کرتے ہیں۔

لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح انسان کے لیے دل لازمی ہوتا ہے اسی طرح عالمِ امکان وانسانیت کے لیے نبی ﷺ و امامؑ کی موجودگی بھی ضروری ہے تاکہ انسانیت امام و

نبی کے طفیل فیضِ الٰہی اور برکاتِ خداوندی سے بہرہ مند ہو سکے۔ یاد رہے کہ روایات کی رو سے نبی یا امامؑ کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ من جانب اللہ ہوتا ہے۔ جس طرح دل بدن کے لیے فیضِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح امامؑ بھی فیضِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ اور واسطہ ہوتا ہے اس فیضِ الٰہی کو حاصل کرنے کے لیے عصرِ غیبت میں ہم منتظرینِ امام زمانہؑ پر سنگین اور مختلف ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اُن میں سے صرف چند ایک کی طرف اشارہ کرتے ہیں

عصرِ حاضر میں ہماری ذمہ داریاں

پہلی ذمے داری: امام علیہ السلام کے فراق میں مغموم و محزون ہونا

اس کے متعدد اسباب ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔ اول۔ امامؑ کا ہماری نگاہوں سے پوشیدہ اور غائب ہونا نیز ان کے دامنِ مبارک تک دسترس حاصل نہ ہونا۔ اگر انسان کو غیبتِ امامؑ کی حقیقت اور اس سے پیدا ہونے والے نقصان کا حقیقی معنوں میں اندازہ ہو جائے تو اس کی زندگی سے مسرت و سکون ناپید ہو جائے۔ زمانے کے بدترین حالات، اہلِ زمانہ کے بے پناہ مظالم، نظامِ اسلامی و حکومتِ عدلِ الٰہی کا فقدان، اسلامی تعلیمات کا تمسخر اُڑانا اور اس طرح کے بے شمار بحرانوں سے غیبتِ امام کے نقصانات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان مصائب کا احساس ہی انسان کو خون کے آنسو بہانے پر مجبور کرنے کے لیے کافی ہے۔

اگر یہ بات صحیح ہے کہ امام زمانہؑ انسان کی محبوب ترین شخصیت کا نام ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ محبوب نگاہوں سے غائب ہو لیکن عاشق کے دلوں میں اضطراب اور بے قراری پیدا نہ ہو اور وہ اپنے محبوب سے اس طرح غافل ہو کہ بعض مخصوص تاریخوں اور خاص مواقع کے علاوہ، امامؑ کے وجود اور اُن کی غیبت کا احساس بھی نہ کرے؟

دُعائے ندبہ میں ان مسائل کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ اگر انسان اس دعا کے مضامین کی طرف متوجہ ہو جائے اور غیبت امام علیہ السلام کی مصیبت کا صحیح اندازہ کرے تو گریہ اور ندبہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ این الطالب بدم المقتول بکربلاء؟ ولا ینالک ضجیج ولا شکویٰ۔ شاید اسی لیے اس دُعا کو دُعائے ندبہ کہا جاتا ہے۔ اور اس دعا کو ان ایام عید (عید الفطر، عید قربان، عید غدیر، جمعہ) میں پڑھنے کی تاکید کی گی ہے (مفاتیح الجنان ص مطبع اسوہ وغیبت شیخ طوسی) کیونکہ یہ وہ اہم ایام ہیں جن میں امامؑ کی غیر موجودگی کا احساس زیادہ ہی ستانے لگتا ہے۔ عید کا دن انسان کے لیے نہایت مسرت کا دن ہوتا ہے۔ اس دن حقیقی عاشق کو اپنے محبوب کی جدائی کا احساس زیادہ کربناک ہوتا ہے اور اس کی جدائی پر آنسو بہانا چاہیے تا کہ اسے فراق کی کیفیت کا درست اندازہ ہو سکے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دور سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے دور تک ہر امامؑ نے غیبت کے نقصانات اور مصائب کا تذکرہ کر کے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کائنات میں خیر صرف اس وقت نمایاں ہو گا جب قائم آل محمد علیہ السلام ظہور کرے گا۔ انتظار کی اس صورت کا فلسفہ یہ ہے کہ مومنین ان بدترین حالات میں بھی مایوس نہ ہوں بلکہ صبر واستقامت کا ثبوت دیں اور ہم یہ تسلیم کریں کہ امامؑ کی غیبت کی علت ہم لوگ ہیں نہ کہ امامؑ (غیبت شیخ طوسی) اور اسی سلسلہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کتنی مومنہ عورتیں اور مومن مرد حیران ومحزون ہوں گے جب امام زمانہ علیہ السلام پردہ غیب میں ہوں گے۔

سُدیر صیرفی کہتا ہے: ہم چند اصحاب حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں پہنچے تو ہم

نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور فرما رہے ہیں: اے میرے آقاؑ! آپ کی غیبت نے میری نیند غائب کردی ہے، میرے آرام و راحت کو ختم کردیا ہے اور میرے دل کا چین اور سرور چھین لیا ہے۔ اے میرے آقاؑ! آپ کی غیبت نے میری مصیبت کو دائمی بنادیا ہے اور مجھے تکالیف و مصائب کے پے در پے حملوں کا نشانہ بنادیا ہے۔

راوی کہتا ہے: جب ہم نے امامؑ کو اس حالت میں دیکھا تو ہم حیران و پریشان ہو گئے اور ہم نے عرض کی: اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ یہ گریہ کا کونسا انداز ہے اور کیا ہو گیا۔ امامؑ نے فرمایا میں نے آج صبح کتاب جفر کا مطالعہ کیا جس میں قیامت تک کے حالات کا ذکر موجود ہے، میں نے اس میں آخری حجت اور وارث پیغمبر کی طولانی غیبت کے باعث اس دور میں پیدا ہونے والے بدترین شکوک و شبہات، ایمان و عقیدہ کے تزلزل پر مبنی حالات شک اور ریب میں شیعوں کے مبتلا ہونے اور اعمال کے معاملے میں تغافل کا مشاہدہ کیا ہے اس امر نے مجھے اس طرح بے قرار ہو کر رونے پر مجبور کردیا ہے کہ اس دور غیبت میں صاحبان ایمان کا کیا حشر ہوگا اور ان کا ایمان کیسے محفوظ رہ سکے گا؟

اگر ہماری بداعمالیاں اور سیہ بختیاں سینکڑوں سال پہلے امام جعفر صادقؑ کو بے قرار ہو کر رونے پر مجبور کر سکتی ہیں۔ تو کیا وہ مومن جو اس عظیم حادثہ میں مبتلا ہے گریہ و زاری، بے قراری اور بارگاہ خداوندی میں تضرع و زاری کے زیادہ سزاوار اور مستحق نہیں ہیں؟ آیئے اس دور ابتلا میں اس اندوہناک حالات و آفات کا اندازہ کر کے کم از کم جمعہ کے دن خلوص دل کے ساتھ دعا ندبہ کی تلاوت کر کے اپنے حالات پر خود آنسوں بہائیں۔ شاید اس طرح ہمارے دل میں عشق امام زمانہ کی ایک جھلک پیدا ہو جائے تاکہ ہم ان کی یاد سے غافل نہ ہونے

پائیں۔ جس طرح خود امامؑ نے اپنے بارے میں فرمایا ہے ہم بھی اپنے چاہنے والوں کی یاد سے غافل نہیں ہوتے اور نہ ان کی نگرانی کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کا اعتماد ہمارے اوپر برقرار رہے ان کی حفاظت و رعایت ہماری ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

دوسری ذمہ داری: امامؑ کی معرفت و شناخت

عقل و نقل کی رو سے نجات اخروی اور فلاح دنیوی کیلئے امام زمانہؑ کی شناخت ضروری ہے۔ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتة جاھلیة ۔ ہر وہ شخص جو اپنے زمانے کے امامؑ کی معرفت و شناخت کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرا ہے۔

یہ حدیث کو شیعہ و سنی کی کتابوں میں تواتر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ بنا بر ایں ہمیں چاہئے کہ نہ صرف اپنے امام کو دلائل و براہین کی روشنی میں خود پہچانیں بلکہ پوری دنیا خصوصاً عالم اسلام کو امام زمانہؑ کی حقیقت سے روشناس کرائیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہر قسم کے وسائل سے استفادہ کریں۔

تیسری ذمہ داری: امام کے لئے دعا اور اعمال

منتظرین امامؑ اپنے امام سے محبت کریں اور دوسروں میں بھی انہیں یعنی امامؑ کو محبوب بنائیں، آپ سے ملاقات کے اشتیاق کا اظہار کریں، آپکے ہر حکم کے آگے سراپا تسلیم رہیں، آپ کے فضائل و مناقب بیان اور نشر کریں، آپ کی مدح پڑھیں، جن محافل و مجالس میں آپ کے فضائل و مناقب بیان ہوتے ہیں ان میں شریک ہوں، آپ کے فراق میں روئیں اور رلائیں اس سلسلے میں مال خرچ کریں کہ یہ دین خدا کی ترویج اور اس کے شعائر کی تعظیم ہے،

آپ کی سلامتی کے لیے صدقہ دیں، آپ کی نیابت میں حج کریں، آپ کی طرف سے کسی کو نائب بنا کر حج وعمرہ کے لیے بھیجیں، آپ کی طرف سے لوگوں کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ اور ائمہ طاہرینؑ کی زیارات کے لیے بھیجیں، مستحب ہے کہ ہر نماز فریضہ، خصوصاً نماز صبح کے بعد تجدید عہد وبیعت کریں، دعائے عہد کی تلاوت کریں اس کا بے حد اجر وثواب ہے۔

اس موضوع پر امام صادق سے متصل السند حدیث نقل ہوئی ہیں۔ آ نے فرمایا: جو شخص چالیس روز تک صبح کو یہ دعا (عہد) پڑھے گا وہ حضرت قائم کے انصار میں شامل ہوگا۔ اور اگر ظہور سے پہلے وہ مر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ قبر سے زندہ کرے گا تا کہ امامؑ کی خدمت میں رہے اور اللہ تعالیٰ اسے اس دعا کے ہر حرف کے عوض ہزار نیکی عطا فرمائے گا اور ہزار گناہ معاف کرے گا (مفاتیح شیخ عباس قمی ص ۵۳۹)

دعا عہد کا سرنامہ یہ ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم اللّٰھم رب النور العظیم ...... الخ.

ہمیں چاہیے کہ امامؑ کے نیک اور پرہیزگار شیعوں کی مالی مدد کریں، مومنوں کو خوش کریں، برادران ایمانی کے حقوق ادا کریں اور آپؑ سے جسمانی اور روحانی نسبت رکھنے والے سادات، علماء، مومنین کا تقرب حاصل کریں کہ یہ آپ کی خوشنودی کا باعث ہے، آپ کی طرف متوجہ ہو کر زیارت پڑھیں، آپ کو سلام کریں، آپؑ سے توسّل کریں، آپؑ کو خدا کی بارگاہ میں اپنا شفیع بنائیں، آپؑ سے استغاثہ کریں، آپؑ سے اپنی تمام شرعی حاجتیں طلب کریں، آپؑ کی طرف لوگوں کو بلائیں، ان کی رہنمائی کریں، آپؑ کے حقوق کی رعایت وحفاظت کریں، اپنے نفسوں کو تمام صفات رذیلہ سے پاک ومنزہ کریں، اخلاق حمیدہ کے زیور سے آراستہ کریں

اور آپ سے ملاقات میں کامیابی کے لیے کوشش کریں، اس کامیابی کو حاصل کرنے کے لیے خدا سے دعا کریں۔ یہ سب امام زمانہ کے ساتھ تعلق کا اظہار ہے۔

چوتھی ذمہ داری: انتظار ظہور

ینابیع المودۃ میں مناقب سے اس نے عبداللہ سے اور اس نے صالح بن عقیقہ سے اس نے امام باقرؑ سے آپ نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے جد امیرالمومنینؑ سے اور آپؑ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: افضل العباد ۃ انتظار الفرج (ینابیع المودۃ؛ (۲) منتخب الاثر، ص ۴۹۹، وکمال الدین ج ۱، ص ۲۸۷، باب ۲۵، حدیث ۶)۔ انتظار ظہور افضل ترین عبادت ہے۔ اس روایت کے مضمون کی تائید ہمارے راویوں کی نقل کردہ دوسری متعدد روایات سے بھی ہوئی ہے جیسے کمال الدین وبحار افضل عبادۃ المومن انتظار الفرج اللہ (ما اخبرہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وبحار۔ ج، ص) اس حدیث شریف کو امام باقرؑ نے امام سجادؑ سے انہوں نے امام حسینؑ سے انہوں نے حضرت علیؑ سے انہوں نے رسول اللہ سے نقل کیا ہے۔

انتظار کے آثار و فوائد:

پہلا فائدہ

انتظار بذات خود نفس انسانی کے لیے اہم اور کٹھن ریاضت ہے یہاں تک کہا گیا ہے کہ انتظار قتل ہو جانے سے بھی زیادہ سخت اور مشکل امر ہے۔ جب کوئی انسان انتظار کی گھڑیاں گن رہا ہوتا ہے تو اس کی سوچ، خیال اور فکر کا دھارہ منتظرؑ کی سمت بہنے لگتا ہے اور وہی اس کے افکار کا محور قرار پاتا ہے۔ انتظار کے باعث انسان کے اندر دو امر پیدا ہوتے ہیں:

امر اول: انسان کی تمام فکری قوتیں مجتمع ہو کر اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی طاقت وصلاحیت میں اضافہ کرتی ہیں۔

امر دوم: انسان میں اپنی تمام فکری قوتوں اور ذہنی صلاحیتوں کو ایک نقطے پر مرتکز کرنے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ ہر انسان اپنی دنیا وآخرت سنوارنے کے لئے انہی دو اہم ترین باتوں کا محتاج ہوتا ہے۔

دوسرا فائدہ

اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی مصیبتوں اور پریشانیوں کی بہت جلد تلافی اور داد رسی ہوگی تو مصیبتیں اور پریشانیاں اس کے لیے آسان اور ان کی تلخیاں کم ہو جاتی ہیں۔ کہاں وہ مصیبت جس کی تلافی کا انسان کو علم ہی نہ ہو اور کہاں وہ مصیبت جس کی تلافی اور دادرسی کا یقین ہو۔ ان دونوں میں یقیناً زمین وآسمان کا فرق ہے۔ خاص کر اس وقت جب انسان کو یہ یقین ہو کہ ان مصیبتوں کی تلافی جلد ہوگی اور حضرت مہدیؑ اپنے ظہور کے ساتھ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔

تیسرا فائدہ

آپؑ کے ظہور کا انتظار بذات خود اس جذبے کو جنم دیتا ہے کہ انسان آپؑ کے محبین اور چاہنے والوں میں بلکہ آپؑ کے جاں نثاروں اور مددگاروں میں شامل ہو۔ یہی جذبہ انسان کو تہذیب نفس اور اصلاح کردار پر امادہ کرتا ہے تاکہ وہ جاں نثاران حضرت مہدیؑ کے زمرے میں داخل ہو اور اسے آپؑ کی رکاب میں جہاد کرنے کی سعادت حاصل ہو۔ یقیناً یہ آرزو، ایمان کامل اور اخلاق حسنہ کے سائے میں ہی ممکن ہے جو آج ہمارے اندر بہت کم پایا جاتا ہے۔

چوتھا فائدہ

انتظار انسان کو نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں کی بھی تہذیب نفس کی دعوت دیتا ہے نیز حضرت مہدی (عج) کے دشمنوں پر فتح ونصرت کے تمام اسباب آمادہ اور مہیا کرنے کی بھی ترغیب دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان تمام متعلقہ علوم اور مہارتوں کو حاصل کرنے کی تگ ودو میں منہمک ہو جاتا ہے خصوصاً جب انتظار کرنے والے کو یہ علم ہو کہ دشمن پر غلبہ ظاہری اسباب کے ذریعے ہوگا۔

پانچواں فائدہ

چونکہ آپؑ کا منتظر اس بات کو (از روئے عقل وروایات) جانتا ہے کہ ہر زمانے میں ایک معصوم امامؑ کی موجودگی ضروری ہے بنابریں وہ ایک پوشیدہ، غیبی اور مخفی شئے پر بن دیکھے ایمان لاتا ہے۔ یعنی وہ آپ کو دیکھے بغیر آپؑ کی امامت پر ایمان لاتا ہے اور یہی چیز اس شخص کے عقلی کمال اور دانائی کی علامت ہے۔

چھٹا فائدہ

آپؑ کا منتظر عدل وانصاف کے اجرا کی تمنا اور قوانین وحدود الٰہی کے نفاذ کی آرزو رکھتا ہے۔

ساتواں فائدہ۔ اس انتظار کی بدولت آپؑ کے منتظر کے دل میں اہل بیت علیہم السلام کی سچی محبت اور مودّت موجزن رہتی ہے کیونکہ ظہور مہدیؑ کے سائے میں اہلبیتؑ کی حکومت کا قیام عمل میں آئے گا، زمام امور ان کے ہاتھوں میں ہوگا اور ان کے تمام چھینے گئے حقوق لوٹائے جائیں گے۔

آٹھواں فائدہ

یہ انتظار اس بات کا متقاضی ہے کہ آپ کا منتظر بنی نوع بشر سے محبت کرے اور تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کا آرزومند رہے۔ طے شدہ امر ہے کہ وہ خیر و برکات جو امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی بدولت حاصل ہوں گے ان کا فائدہ تمام موجودات عالم کو پہنچے گا۔

مذکورہ بالا سطور میں ہم نے آپؑ کے انتظار کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فوائد اور آپؑ کے منتظرین کے اخلاق و اوصاف حمیدہ کی جانب جزوی اشارہ کیا جبکہ اس سلسلے میں ائمہ معصومینؑ سے مروی روایات میں ان سے کہیں زیادہ فوائد مذکور ہیں۔ اس مقام پر نہایت مناسب ہوگا کہ ہم اس سلسلے میں ایک روایت کا اقتباس پیش کریں۔

شیخ صدوقؒ نے کمال الدین میں عمار الساباطی سے اور اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل روایت کو نقل کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ باطل حکومت کے ایّام میں عبادات کا بجالانا حق کی حکومت کے ایّام میں بجالانے سے احسن و افضل ہے نیز باطل حکومت کے دوران اجر و ثواب کی مقدار بھی زیادہ ہے۔ عمار کہتے ہیں: میں نے امام سے پوچھا: آپؑ پر قربان جاوں، تو کیا ہم حق کی سربلندی اور قائم آل محمدؐ کے اصحاب میں شامل ہونے کی تمنا نہ کریں؟ کیونکہ آج (جبکہ حکومتِ وقت ظالم و جابر اور باطل ہے) ہم تمام عبادات کو بجا لا رہے ہیں اور یہ حق کی حکومت کے دوران بجالانے سے افضل و احسن ہے؟

آپؑ نے جواب دیا: سبحان اللہ! کیا تم لوگ یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے چپے چپے میں عدل و انصاف کو نافذ کرے، لوگوں کے حالت بہتر بنائے، اختلافات کو دور کرے، ایک دوسرے کے قلوب میں الفت و محبت پیدا کرے، خدا کی زمین میں خدا کی نافرمانی

نہ ہو، حدود الٰہی کو خلق خدا میں جاری کرے، حق دار کو حق ملے اور حق اس شان سے آشکار ہو کہ کسی کے بھی خوف سے اسے چھپایا نہ جائے (کمال الدین ج ۲: ص ۶۴۶؛ باب ثواب وفضل انتظار۔ منتخب الاثر ص ۴۹۷)

خلاصہ کلام

حقیقت یہ ہے کہ ہماری ذمے داریاں بہت سنگین اور زیادہ ہیں اگر کوئی شخص خلوص دل سے حضرت ولی عصرؑ کے ظہور کی تمنا رکھتا ہو اور اسی تمنا کے ساتھ دنیا سے چلا جائے تو اس کا مقام اتنا بلند ہوگا کہ گویا وہ امام زمانہؑ کے مقدس خیمے میں موجود ہو اور جو شخص دیدار امام زمانہؑ کی تمنا دل میں لے کر مر جائے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو امام زمانہؑ کی رکاب میں خدا کی راہ میں شہید ہوا ہو۔ امام زمانہؑ کی غیبت میں نماز استغاثہ پڑھے جو حاجت روائی کے لیے نہایت مشہور ومجرب ہے اور ہمیں چاہیے کہ امام زمانہؑ کو خدا کی بارگاہ میں اپنے امور اور حاجات کے لیے شفیع بنائیں کیونکہ آپؑ کے طفیل لوگوں کی حاجات پوری ہوتی ہیں۔ منتظر کو چاہیے کہ بارگاہ خداوندی میں امام زمانہؑ کا واسطہ دے کر اپنی حاجات کے پورا ہونے اور امامؑ کی سلامتی وتعجیل ظہور کے لیے دعا کرے۔ تاکہ امامؑ کے وجود اقدس کی برکتوں سے فیضیاب ہو آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مقالہ2: حکومت حضرت امام مہدیؑ کی خصوصیات

(مبشر حسن کمیلی)

قال رسول اللہ: من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ. جو اپنے زمانے کے امام کی معرفت کے بغیر مر اوہ جاہلیت کی موت مرا۔

تمہید:

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی امامت اور اُن کی غیبت وظہور پر ایمان وعقیدہ رکھنے کے بعد ہمارے اذہان میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ جب حضرت امام مہدی علیہ السلام غیبت کبریٰ کے بعد ظہور فرمائیں گے تو رُوئے زمین پر کس طرح حکومتِ الٰہی نافذ کریں گے، اُن کا اندازِ حکومت کیسا ہوگا اور یہ حکومت کن صفات وخصوصیات کی حامل ہوگی؟

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ بنیادی طور پر ہر قانون نافذ کرنے کا مقصد اور ہدف معاشرتی، معاشی اور سماجی اصلاح ہوتا ہے۔ قانون سازی نسبتاً آسان کام ہے۔ قانون سازی کے بعد نفاذِ قانون کا مرحلہ زیادہ مشکل اور اہم ہے۔ بنیادی طور پر قانون کا نتیجہ عوام کی خوش حالی ہے۔ قانون کی نظر میں سب لوگ مساوی ہوتے ہیں۔ بنابریں جس طرح مظلوم کی دادرسی ، کمزور سے تعاون اور ظالم کو کیفرِ کردار تک پہنچانا حاکم کے اختیار میں ہوتا ہے، اسی طرح ظالم سے تعاون، حقوق کا ضیاع اور مظلوم کو انصاف سے محروم کرنا بھی ان کے بس میں ہوتا ہے۔ اس وقت کرۂ ارض پر آباد کسی بھی حکومت کے قوانین کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اکثر قوانین عوام کی بہ نسبت حکمرانوں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ حکمران طبقہ اپنی حفاظت کو ہی ملکی

حفاظت سمجھتا ہے اور اپنے خلاف بغاوت کو ملک کے خلاف بغاوت سمجھتا ہے۔

عوام کے لیے جو تھوڑے بہت قوانین بنائے جاتے ہیں، ان کے نفاذ کا موقع کبھی نہیں آتا بلکہ ان قوانین کو بھی ہیئتِ حاکمہ اپنے حق میں ہی استعمال کرتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر ملک کے عوام آزادی اور بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔ اگر کچھ کہنا ہو تو اربابِ اقتدار کی خواہش کے مطابق، کچھ سوچیں تو حکمراں طبقے کی فکر کے مطابق، کچھ لکھیں تو ہیئتِ مقتدرہ کی مرضی کے مطابق۔ غرض ہر ملک کا قانون موم کی مانند ہے، جو ہمیشہ ہیئتِ حاکمہ کے گرد طواف کرتا رہتا ہے۔ نہ عقل و فکر کی اہمیت ہے اور نہ اصول و قانون کا پاس۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر ہم اس وقت دنیا کے نقشے پر موجود اسلامی ممالک کے قوانین کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر ملک کا قانون دوسرے ملک سے جدا ہے۔ جب کہ ہر ملک کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم اسلامی قوانین کے مطابق عمل کر رہے ہیں حالانکہ ماخذ قانون و سنت ایک ہے۔ تو پھر حق تو یہ تھا کہ تمام اسلامی ممالک کا قانون بھی ایک ہی ہوتا۔ یہ بات کسی کے علم میں نہیں کہ قرآن و سنت کا قانون معاشرتی و معاشی اور سماجی اصلاح کے لیے ہے، نہ کہ ہیئت حاکمہ کے اغراض کی تکمیل کے لیے۔ ہم ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلافت مولا علیؑ کے بعد اسلامی قوانین کو نفاذ کا موقع نہیں ملا۔ ان مسلمات کے پیش نظر جب ہم امام مہدی علیہ السلام کی حکومت کا احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں تصور کریں تو آپ کے حکومت میں دو اہم نکات ہمارے سامنے آتے ہیں:

(۱) جغرافیائی اختلاف کے باوجود ایسے قوانین وضع کرنا جو ہر ایک پر یکساں نافذ ہو سکیں۔

(۲) مقدمات میں عادلانہ فیصلے: ان دو نکات میں سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام

اپنے ظہور اور استحکام کے بعد ان تمام کالے قوانین کو منسوخ اور کالعدم قرار دیں گے۔ دوسرے نکتے کا تعلق احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام ہر مقدمے کا فیصلہ اپنے علم امامت کے مطابق انجام دیں گے، کیوں کہ ظالم کا ظلم وجور، ستم ، استبداد، نا انصافی، عدم مساوات کا قلع قمع کرنے کے لیے جہاں ایمان و اخلاق کی سخت ضرورت ہے، وہاں صحیح نظام قانون کے لیے طاقت ور عدلیہ کی بھی ضرورت ہے۔ بنا بر ایں اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرتؑ کے زمانے میں اخلاقی تعلیمات اتنی عام ہو جائیں گی کہ عوام کی اکثریت سعادت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے آمادہ ہو جائے گی، عوام کو اخلاقی تربیت سے سماج کے کافی مسائل حل ہو جائیں گے، لیکن انسان کو آزاد خلق کیا گیا ہے اور اپنے اعمال میں اسے پورا اختیار حاصل ہے۔ اس لیے اس بات کا امکان ہے کہ ایک صحت مند سماج میں ایسے افراد پائے جائیں گے، جو خواہ مخواہ فساد پھیلانا چاہیں گے۔ اس بنا پر سماج کے مکمل علاج کے لیے وسیع الاختیار عدلیہ کی ضرورت ہے، تا کہ مجرموں کو ان کے جرائم کا بدلہ دیا جا سکے۔

اُس دُنیا کا تصور انسان کے لیے کتنا زیادہ وجد آفرین اطمینان بخش اور ثمر آمیز ہے کہ جہاں طبقاتی اختلافات نہ ہوں، فتنہ و فساد نہ ہو، جنگ و خوں ریزی نہ ہو اور فقر و تنگدستی نہ ہو، تو ایسی دنیا کا تصور افسانہ ضرور معلوم ہوتا ہے، مگر دینِ اسلام نے اس بات کو یقینی بنایا ہے اور اس کے خطوط بھی وضع کیے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے عالمی حکومت کے چند اہم خطوط کو ملاحظہ کریں تو یقیناً ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام جب پردہ غیب سے ظہور فرمائیں گے، اور اس دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے، اور تمام عالمِ اسلام پر حکومت کریں گے تو آپ کی حکومت کی کچھ خصوصیات اور اوصاف بھی موجود ہیں جو کہ پیشِ خدمت ہیں:

آحادیث کی رو سے حکومتِ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی چند اہم خصوصیات:

حکومت حضرت امام مہدیؑ کے کارکن:

یہ بات فطری ہے کہ جس حکومت کی رہبری امام مہدی علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوگی، اس کے عہدیدار اور کارگزار بھی اُمت کے نیک اور صالح افراد ہوں گے، اس لحاظ سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں، روایات حضرت امام مہدیؑ کی حکومت پیغمبر اکرم ﷺ اور اُن کے جانشینوں، صاحب تقویٰ زمانے کے نیک افراد گزشتہ اور بزرگ اصحاب پیغمبر ﷺ کے ذریعے تشکیل کو بیان کرتی ہے، جن میں بعض کے نام درج ذیل ہیں (اگرچہ بعض روایات میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے کارگزاروں کی تعداد بیان کی گئی ہے) ان میں سے :(۱) حضرت عیسیٰؑ (۲) اصحاب کہف کے آدمی، یوشع، وصیِ موسیٰ، مومن آلِ فرعون وغیرہ جبکہ حضرت عیسیٰ کو بعض روایت میں کبھی وزیر، کبھی جانشین اور کبھی مسول کے عنوان سے یاد کیا ہے اور حکومت امام مہدیؑ کا مرکز ابو بصیرؒ کی روایت کے مطابق جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کی گئی ہے، کوفہ ہوگا۔

حضرت امام مہدیؑ کے دور میں دینِ اسلام کا غلبہ:

عقد الدرر میں ابوالحسن ربعیؒ مالکیؒ سے اور حذیفہ ابنِ یمانیؓ سے اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث کو نقل کیا ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی سیرت وطینت اور بیعت کا مقام بتایا ہے، پھر آخر میں فرمایا کہ خدا اُن کے ذریعے دین کی حاکمیت کو لوٹائے گا، عظیم الشان فتوحات اُن کا مقدر ہوں گی اور زمین پر بجز لا الٰہ الا اللہ کہنے والے کے کوئی باقی نہ بچے گا۔ (عقد الدرر: باب دوم ص ۳۲)

ینابیع المودۃ میں شیخ محی الدین کی کتاب فتوحات مکیہ کے ص ۳۶۳ پر ایک طویل

عبارت حضرت امام مہدی علیہ السلام اور اُن کے وزراء کے بارے میں نقل ہوئی ہے، اس کا اقتباس پیشِ خدمت ہے: وہ اُس وقت ظاہر ہوگا جب دین معاشرے میں ضعیف اور ناتواں ہو چکا ہوگا، اور جو اُس کا انکار کرے گا وہ موت کے گھاٹ اتارا جائے گا، اور جو اُس کی راہ سے بھٹک جائے گا وہ ذلیل وخوار ہو جائے گا، اور وہ دین کا اصل اور حقیقی چہرہ کو اس طرح روشناس کرائے گا کہ اگر رسول اللہ ﷺ بھی اس زمانے میں ہوتے تو اسی طرح دین کو روشناس کراتے۔ زمین سے تمام (سن گھڑت) ادیان کا قلع قمع کر دے گا اور زمین پر بجز دینِ خالص کے کوئی دین باقی نہ رہے گا۔

علمائے اہلِ سنت میں سے حاکم نے اپنی کتاب المستدرک ج ۴، ص ۵۹۶ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوالطفیل محمد بن حنفیہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن حنفیہؒ نے کہا کہ وہ حضرت علیؑ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے امامؑ سے امام مہدیؑ کے بارے میں پوچھا تو حضرت علی علیہ السلام نے بر بنائے لطف فرمایا: دُور ہو، پھر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مہدی کا ظہور آخری زمانے میں ہوگا.... (اور بے دینی کا اس قدر غلبہ ہوگا کہ) اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے کو قتل کر دیا جائے گا۔ (ظہورِ امام مہدی علیہ السلام کے وقت) اللہ تعالیٰ ایک جماعت کو ان کے پاس اس طرح اکٹھا کرے گا، جس طرح بادل کے متفرق ٹکڑوں کو مجتمع کر دیتا ہے، اور ان میں یگانگت اور الفت پیدا کرے گا۔ یہ نہ کسی سے خوفزدہ ہوں گے اور نہ کسی کے نام کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔ حضرت ابوالطفیل کہتے ہیں کہ محمد بن حنفیہؒ نے مجمع سے پوچھا کہ کیا تم اس بات میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، تو انہوں نے کعبہ شریف کے دو ستونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ خلیفہ امام مہدیؑ کا ظہور انہی کے درمیان ہوگا۔ (المستدرک الحاکم ج ۴، ص ۵۹۶ ۔ (۲) کتاب وافی ج ۲، ص ۱۱۲)

امام مہدیؑ کے دورِ حکومت میں اخلاق ومعنویت میں رشد و ترقی:

کتاب احقاق الحق ج ۱۳، ص ۳۱۲ میں ہے کہ امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانے میں عبادت و دین کی طرف مائل ہوں گے اور نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے لگیں گے۔ کتاب وافی ج، ص میں درج ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کوفے کے گھر کربلا و بصرہ سے متصل ہو جائیں گے، اس طرح سے کہ نماز گزار نماز جمعہ میں شرکت کرنے کے لیے تیز رفتار سواری پر سوار ہوگا، لیکن وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا، شاید یہ کہنا آبادی اور لوگوں کی ازدحام کی جانب اشارہ ہو، جو نماز جمعہ میں شرکت سے مانع ہو اور جو یہ کہا گیا ہے کہ تمام نماز گزار جمع ہو جائیں گے اور ایک نماز جمعہ ہوگی ، شاید اس کی وجہ تین شہروں کا ایک ہو جانا ہو، اس لئے کہ شرعی لحاظ سے ایک شہر میں ایک ہی نماز جمعہ ہو سکتی ہے۔ (المستدرک حاکم ج ۴، ص ۵۹۶)

کتاب اثبات الہدیٰ ج، ص میں مذکور ہے کہ حضرت مولا علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرتؑ کے قیام کے وقت لوگوں کے دلوں سے کینے ختم ہو جائیں گے۔ کتاب وافی ج، ص میں درج ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں کینے اور دشمنی لوگوں کے دلوں سے ختم ہو جائیں گے، شیعوں کے دوسرے پیشوا اخلاقی فساد و انحراف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ خداوند عالم آخری زمانے میں ایک شخص کو مبعوث کرے گا، کوئی فاسد اور منحرف نہیں رہ جائے گا مگر یہ کہ اُس کی اصلاح ہو جائے۔ یہ بات کتاب خصال ص میں موجود ہے کہ حضرتؑ کے زمانے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حرص و طمع جیسی مذموم صفات لوگوں کے درمیان سے ختم ہو جائیں گی اور بے نیازی پیدا ہو جائے گی۔

کتاب ابن طاوس میں ہے کہ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت قائم علیہ السلام قیام کریں گے تو خداوند عالم لوگوں کے دلوں کو بے نیازی سے بھر دے گا، اس وجہ کہ حضرت اعلان کریں گے کہ جسے بھی مال و دولت چاہیے وہ میرے پاس آئے، لیکن کوئی آگے نہیں بڑھے گا۔ اس روایت میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ عباد کا ذکر ہوا ہے، یعنی روحی، دگرگونی و تغیر کسی گروہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ اندرونی تغیر و تبدیلی تمام انسانوں کے لیے ہے۔

اسی سلسلے میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ تم کو مہدی علیہ السلام کی خوشخبری دے رہا ہوں، جو لوگوں کے درمیان مبعوث ہوں گے، جبکہ لوگ آپس کی کشمکش، اختلاف و تزلزل میں مبتلا ہوں گے۔ پھر اس وقت روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے، جس طرح وہ ظلم و ستم سے بھر چکی ہوگی، نیز زمین و آسمان کے ساکن اس سے راضی و خوشنود ہوں گے، پھر خداوند متعال امت محمدی ﷺ کے دلوں کو بے نیازی سے بھر دے گا، اس طرح سے کہ منادی ندا دے گا جسے بھی مال کی ضرورت ہے وہ آجائے تاکہ اس کی ضرورت برطرف ہو جائے، لیکن ایک شخص کے علاوہ کوئی بھی نہیں آئے گا۔ اس وقت حضرت امام مہدی علیہ السلام کہیں گے: خزانے دار کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ مہدیؑ نے حکم دیا ہے کہ مجھے مال و ثروت دے دو، خزانہ دار کہے گا دونوں ہاتھوں سے پیسا جمع کرو اور وہ شخص بھی پیسے اپنے دامن میں بھرے گا، لیکن ابھی وہاں سے باہر نہیں نکلے گا کہ پشیمان ہوگا۔ اور خود سے کہے گا، کیا ہوا کہ میں محمد ﷺ کی امت کا سب سے بڑا لالچی انسان ٹھہرایا گیا ہوں، جو سب کی بے نیازی کا باعث بنتا ہے، وہ ہمیں بے نیاز کرنے سے ناتواں ہے، پھر اس وقت واپس آکر تمام اموال کو واپس کیا

جائے گا، لیکن خزانہ دار واپس نہیں کرے گا۔ اور کہے گا کہ ہم جو چیز دے دیتے ہیں وہ واپس نہیں لیتے۔

حضرت امام مہدیؑ کے زمانے میں اخلاق کمال، قلبی قوت، عقلی رشد کے بارے میں چند روایات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں: (منتخب الرحمٰن ج ۲، ص ۴۴)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: جب قائم قیام کریں گے تو اپنا ہاتھ بندگانِ خدا کے سروں پر پھیریں گے، اُن کی عقلوں کو جمع کریں گے (رُشد عطا کریں گے) اور ایک مرکز پر لگا دیں گے، ان کے اخلاق کو کامل کریں گے اور حضرتؑ جب اسلامی قوانین کا بطور کامل اجراء کریں گے، تو لوگوں کی رُشد وفکر میں اضافے کا باعث ہوگا۔ نیز رسول اللہ ﷺ کا ہدف بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: میں لوگوں کے اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ (کتاب ابن طاوس ملاحم، ص ۷۱)

رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہؑ سے فرماتے ہیں کہ خداوند متعال حسن وحسین علیہما السلام کی نسل سے ایک شخص کو مبعوث کرے گا، جو گمراہی کے قلعوں کو فتح اور سیاہ دل اور مردہ ضمیروں کو تسخیر کرے گا۔ (کتاب کافی ج ۱، ص ۱۵)

اقتصادی ترقیاں اور عدالتِ اجتماعی:

اس سلسلے میں جن روایات سے استفادہ ہوتا ہے، وہ یہ ہیں کہ اقتصادی حالات کی بہتری کی وجہ سے سماج فقر و فاقے میں مبتلا نہیں ہوگا اور ایک ضرورت مند انسان کو اتنی دولت و ثروت دی جائے گی کہ وہ لے جانے سے معذور ہوگا، عمومی اقتصادی حالت اتنی بہتر ہوگی کہ زکوٰۃ دینے والے مستحق وضرورت مند کی تلاش میں پریشان رہیں گے۔

طبرانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایک مہدیؑ ہوگا، ان کی مدت خلافت کم ہوئی تو سات یا آٹھ سال ہوگی، میری امت ان کے زمانے میں اس قدر خوشحال ہوگی کہ اتنی خوشحالی انہیں کبھی نہ ملی ہوگی۔ آسمان سے حسب ضرورت موسلا دھار بارش ہوگی اور زمین اپنی تمام پیداوار کو اُگل دے گی، ایک شخص کھڑا ہو کر مال کا سوال کرے گا تو مہدیؑ کہے گا کہ حسب ضرورت خزانہ میں جا کر خود لے لو۔ (المعجم الاوسط ج ۵، ص ۳۱۱)

احمد بن حنبل نے ابو سعید خدری سے روایت نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آخری زمانے میں زمین ظلم وجور سے بھر جائے گی تو میری اولاد سے ایک شخص پیدا ہوگا، جس کی سات سال خلافت ہوگی اور اپنے زمانہ خلافت میں زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، جس طرح اس سے پہلے وہ ظلم وجور سے بھر گئی تھی۔ (المسند احمد بن حنبل ج ۳، ص ۷)

سیوطی الحاوی للفتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر دنیا کے زمانے میں ایک ہی رات باقی رہ گئی تو بھی اللہ ربّ العزّت اس رات کو اتنی لمبی کرے گا یہاں تک کہ میرے اہل بیتؑ میں سے ایک شخص بادشاہ بنے گا، جس کا نام میرے نام اور جس کے والد کا نام میرے نام جیسا ہوگا، وہ زمین کو عدل وانصاف سے لبریز کرے گا اور مال کو برابر تقسیم کرے گا، اللہ ربّ العزّت اس اُمت کے دلوں میں غنا رکھ دے گا۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲، ص ۶۴)

مال ودولت کی تقسیم:

کتاب فتن ابن حماد میں مذکور ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: جب قائم

اہلِ بیت قیام کریں گے تو بیت المال کو لوگوں کے درمیان عادلانہ تقسیم کریں گے، زمین کی اوپر کی دولتیں (جیسے خمس، زکوٰۃ) اور زمین کے اندر چھپی ہوئی (جیسے خزانے و معادن) حضرت کے پاس جمع ہو جائیں گی، پھر اُس وقت حضرت لوگوں سے خطاب کریں گے کہ آؤ جس کے لیے تم نے اپنے رشتے داروں سے تعلق کو منقطع کر دیا تھا اور خوں ریزی پر آمادہ ہو گئے تھے، اس کو لے جاو۔ آپ اس طرح سے مال تقسیم کریں گے کہ ان سے پہلے کسی نے اس طرح تقسیم نہیں کیا ہوگا۔ (کتاب ابنِ حماد فتن ص ۹۸۰)

کتاب الشیعہ والرجعہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: آخری زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جو لوگوں کے درمیان بے شمار مال تقسیم کرے گا۔ (کتاب الشیعہ والرجعہ ج ۱، ص ۲۰۲)

شافعی کی کتاب بیان میں مرقوم ہے کہ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں: نا امیدی اور فتنوں کے زمانے میں مہدیؑ نامی شخص ظہور کرے گا، خلقتِ خدا اس کی داد و دہش سے خوش باش ہوگی۔ حضرت مہدیؑ کی بخشش مہربان باپ کے عنوان سے اور بغیر احسان کے ہوگی، اس لحاظ سے دوسروں کی بخشش کے مقابل جو لوگوں کو غلام بناتے ہیں، اور جو دین فروشی و آبرو ریزی پر موقوف ہو، لوگوں کے لیے ناپسندیدہ و ناخوشگوار ہوگی۔ (شافعی بیان ص ۱۴۴)

سنن ابی داود میں مرقوم ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ایک شخص قریش سے ظاہر ہوگا جو لوگوں کے درمیان مال تقسیم کرے گا اور پیغمبروں کی سیرت پر عمل پیرا ہوگا۔ (کتاب سنن ابی داود ج ۴، ص ۱۰۸)

ابنِ طاوس کی کتاب ملاحم میں ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں: مہدیؑ زمین کے خزانوں کو باہر نکالیں گے اور مال کو لوگوں کے درمیان تقسیم کریں گے اور اسلام کی شان و

شوکت دوبارہ لوٹ آئے گی۔(کتاب ابن طاوس وملاصم ص ۱۴۹)

کتاب صواعق المحرقہ میں رقم ہے: اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کہ میری امت کے آخری دور میں ایک خلیفہ ہوگا جو لوگوں کو بے شمار دولت عطا کرے گا۔(کتاب صواعق المحرقہ ص ۱۴۴)

کتاب التہذیب میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن سنان کہتے ہیں میرے والد نے حضرت امام جعفر صادق سے کہا: میرے پاس ٹیکس کی کچھ زمین ہے جس پر میں نے کھیتی باڑی کی ہوئی ہے۔ حضرتؑ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: اگر ہمارے قائمؑ قیام کریں تو تمہارا حصہ اس زمین سے زیادہ ہوگا جس پر تو نے کھتی باڑی کی ہوئی ہے۔(کتاب التہذیب ص ۱۴۱)

محرومین و مستضعفین کی دادرسی:

بحارالانوار میں مرحوم مجلسی نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ایک ایسا زمانہ آئے گا اس میں مہدیؑ ظہور کریں گے اور وہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی نسل سے ہوں گے۔ خداوند متعال اُن کے ذریعے جھوٹ کا خاتمہ..... بُرے ایام اور غلامی کی زنجیروں سے تمہیں نجات دے گا۔(بحارالانوار ج ۱ ص ۷۵)

عقد الدرر نامی کتاب میں مندرج ہے کہ طاوس یمانی کہتے ہیں: حضرت مہدیؑ کی خصوصیات یہ ہیں کہ اپنے احکام اور کارگزاروں کی نسبت اموال کو بخشش کرنے میں ہاتھ کھلے ہوں گے اور بے چارہ، بے نوا، مسکین افراد کی نسبت مہربان و کریم ہوں گے۔(کتاب عقد الدرر ص ۱۶۷)

عیاشی لکھتے ہیں کہ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: جب حضرت مہدیؑ ظہور کریں گے تو کوئی مسلمان غلام نہیں ہوگا مگر یہ کہ حضرتؑ اسے خرید کر آزاد کر دیں گے، نیز کوئی قرض دار باقی

نہیں بچے گا، کیونکہ حضرتؑ اس کے قرض کو ادا کر دیں گے۔ (تفسیر عیاشی ج ۱، ص ۶۴)

آپؑ کی حکومت میں زمین کا آباد ہونا:

اسعاف الراغبینؒ کے بعض آثار میں آیا ہے کہ آپ طاق سال میں خروج کریں گے۔ آپ کی بادشاہت مشرق سے مغرب تک ہوگی اور ان کے لیے خزانے ظاہر ہو جائیں گے اور روئے زمین پر کوئی ویران باقی نہیں رہے گا مگر یہ کہ وہ آباد ہو جائے گا۔ (اسعاف الراغبین باب دوم، ص ۱۴۱، ۱۴۲)

حضرتؑ کے دورِ حکومت میں آپؑ کے پاس مشرق و مغرب والوں کا اجتماع:

ابن عساکر نے طفیل سے اور اس نے علی سے نقل کیا ہے کہ جب قائم آلِ محمد علیہ السلام قیام کریں گے تو مشرق و مغرب کو جمع کر دیں گے۔ چنانچہ وہ اس طرح جمع ہو جائیں گے جس طرح خریف کے بادل جمع ہوتے ہیں۔ کوفے والوں میں سے رفقاء ہوں گے اور شام والوں سے بدال ہوں گے۔ (تاریخ ابن عساکر ج ۴، ص، مطبعہ روضہ شام) اور اس حدیث کو ینابیع المودۃ ص، صاحب جواہر العقدین اور صواعق کی آیت ثانیہ عشر الوارد فیھم میں ابن عساکر سے نقل کیا ہے۔

غایۃ المرام میں عیاشی نے اپنی اسناد سے ابوسمیہ ابن ابوالحسن کے غلام سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں نے ابوالحسنؑ سے خدا کے اس قول اینما تکونوا یات بکم اللہ جمیعاً کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: خدا کی قسم ایسا ہی ہے جب ہمارے قائمؑ قیام کریں گے تو خدا ان کے پاس تمام شہروں سے ہمارے شیعوں کو جمع کرے گا۔

دلوں پر حکومت:

یہ بات واضح ہے کہ کوئی حکومت مختصر مدت میں دشواریوں پر قابو پائے اور بے سرو

سامانی کا خاتمہ اور دلوں سے یاس و نا امیدی کو ختم کرے اور ان دلوں میں امید کی لہر دوڑائے تو یقیناً لوگ اُس کی حمایت کریں گے، نیز ایسا نظام جو جنگ کی آگ بجھادے، امنیت و آسائش کی راہ ہموار کردے گا، حتیٰ کہ حیوانات بھی اس سے بہرہ مند ہوں گے۔ یقیناً لوگوں کے دلوں پر حاکم ہوگا، نیز لوگ ایسی حکومت کے خواہشمند بھی ہیں۔ اس لحاظ سے روایات سے لگاؤ اور تمسک کو پسندیدہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

ینابیع المودۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم لوگوں کو مہدیؑ قریشی کی بشارت دیتا ہوں، جس کی خلافت سے زمین و آسمان کے رہنے والے راضی ہوں گے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اور روایت میں فرماتے ہیں: میری اُمت کا ایک شخص قیام کرے گا جسے زمین و آسمان والے دوست رکھیں گے۔ (ینابیع المودۃ ص ۴۳۱)

فردوس الاخبار میں صباح کہتے ہیں کہ حضرت مہدیؑ کے زمانے میں بزرگ فرزند بافہم ہونے کی تمنا کریں گے۔ (فردوس الاخبار ج ۴، ص ۴۹۶)

کتاب بحار الانوار میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اس سلسلے میں فرماتے ہیں: میرے فرزندوں میں سے ایک شخص ظہور کرے گا، جس کے ظہور اور حکومت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مردے قبر میں رہنا نہیں چاہیں گے مگر یہ کہ وہی تمام سہولتیں و فوائد انہیں قبر میں حاصل ہوں، وہ لوگ ایک دوسرے کے دیدار کو جائیں گے اور حضرت قائمؑ کی خوشخبری دیں گے۔ (بحار الانوار ج ۵۲، ص ۳۲۸)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مقالہ3: المھدی فی القرآن والحدیث

(محمد ایوب انصاری)

قَالَ اللّٰهُ: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ. (سورہ بقرہ، آیات ۲۔۳)

متقین کے لیے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، سورہ بقرہ کی آٹھ آیات جو حضرت قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عجل اللہ فرجہ الشریف کے حق میں تطبیقی، تضمینی، تفسیری اور اشارتی حوالے سے نازل ہوئی ہیں، ان میں سے یہ پہلی آیت کریمہ ہے۔ الحافظ سلیمان قندوزی نے ینابیع المودۃ میں درج ذیل اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ جندل ابن جنادہ ابن جبیر یہودی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے چند چیزوں کے متعلق سوال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاک کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام قبول کرلیا۔ مختلف اشیا کے بارے میں سوال کرنے کے بعد اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کے اوصیاء کے بارے میں سوال کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اوصیاء کے ناموں کے تعارف میں گیارہ ائمہؑ کے بعد فرمایا: گیارہویں امام حسن العسکری علیہ السلام کے بعد ان کا بیٹا محمد وصی ہے، جنہیں امام مہدیؑ کے نام سے پکارا جاتا ہے اور القائم اور الحجہ بھی ان کے لقب ہیں، وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جائیں گے.... اس کے بعد ظاہر ہوں گے اور جس وقت ظہور کریں گے، اس وقت زمین عدل وانصاف سے یوں بھر دی جائے گی جس طرح ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی۔ پس طوبیٰ ہے ان لوگوں کے لیے جو ان کی غیبت میں صبر وقرار سے رہیں گے۔ طوبیٰ ہے ان لوگوں کے لیے جو ان کی محبت پر قائم رہیں گے۔ (ینابیع المودۃ ص ۴۴۱) یہ

وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تعریف کی ہے اور فرمایا ہے: ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب (۲)

پس ہم اس آیت کریمہ کی وضاحت کے لیے یوں کہیں گے کہ متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور امامِ زمانہ بھی غیب ہیں تو متقی وہ ہے جس کا امامِ زمانہ پر ایمان ہو۔ اور بالغیب سے مراد خود امامِ مہدیؑ بھی ہیں۔ کیونکہ غیب اسی شے کو کہتے ہیں جو حواسِ خمسہ (آنکھ، کان، ناک، زبان، ہاتھ) کے ادراک سے اور ان کی دریافت سے باہر ہوں یا مادی آلات کے ذریعے دریافت نہ کی جاسکے۔ مثلاً آنکھ دیکھ نہ سکے، کان سن نہ سکے، ناک سونگھ نہ سکے، زبان چکھ نہ سکے، ہاتھ مَس نہ کرسکے، یا سائنسی آلات اسے دریافت نہ کرسکیں تو جس طرح اللہ غیب ہے، قیامت غیب ہے، کیونکہ یہ حواس خمسہ سے دریافت نہیں کیے جاسکتے ہیں، اسی طرح حضرت امام مہدیؑ غیب ہیں، کیونکہ زمانہ غیبت میں عام نظریں انہیں دیکھنے سے عاجز اور ان کے دیدار سے قاصر ہیں۔ دوسری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ امام کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْناً (سورہ بقرہ آیت ۶۰) پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے... علامہ کبیر سید ہاشم البحرانی نے اپنی کتاب غایۃ المرام میں فقیہ ابی الحسن بن شاذان سے روایت کی ہے، جو انہوں نے کتاب المناقب ماۃ (سو منات) میں اہل سنت کے ذریعے سے نقل کی ہے، سلسلہ اسناد کو اختصار کی وجہ سے چھوڑتے ہوئے عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے ایک طویل حدیث کو سنا ہے۔ جو شخص خدا، اس کے رسول ﷺ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس پر لازم ہے وہ ولایتِ علی ابن ابی طالبؑ اور میری ذریت سے باقی آئمہؑ کی ولایت کا تہہ دل سے قائل ہو۔ کیونکہ وہی میرے علم کے خزانہ دار ہیں۔ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت

جابر بن عبد اللہ انصاریؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ائمہ کی تعداد کتنی ہے؟ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: اے جابرؓ اللہ تجھ پر رحم کرے گا تو نے پورے اسلام کے بارے میں سوال کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی تعداد ان چشموں کے برابر ہے جو حضرت موسیٰؑ بن عمران کے لیے پھوٹ پڑے۔ جب انہوں نے اپنا عصا پتھر پر مارا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا مزید ارشاد ہوتا ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا (سورہ بقرہ آیت ۱۴۸) پس تم نیکیوں کی طرف بڑھو تم جہاں بھی ہو اللہ تم سب کو ایک جگہ لے آئے گا۔

الحافظ سلیمان القندوزی نے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ عزوجل کے فرمان: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ.... کے متعلق مروی ہے، آپؑ نے فرمایا کہ وہ نیکیوں کی طرف بڑھنے والے اور وہ نیک لوگ جنہیں اللہ ایک جگہ اکٹھا کرے گا خواہ کہیں بھی منتشر ہوں، حضرت قائم آل محمدؐ کے اصحاب ہیں، جن کی تعداد تین سو دس سے کچھ اوپر یعنی تین سو تیرہ ہے اخدا کی قسم وہ امت معدودہ ہیں، جو ایک ساعت میں (ایک لمحے میں) ایک جگہ اکٹھے جمع ہو جائیں گے۔ قائم آل محمدؐ کا پہلا گروہ جو اصحاب امامؑ پر مشتمل ہوگا اور اس کی تعداد تین سو تیرہ ہے، مثلِ اصحاب بدر، وہ حضور امامؑ کے اوّل و ابتدائے ظہور میں ان سے جا ملیں گے، جب کہ امامؑ ابھی مکہ میں موجود ہوں گے، وہ سعادتمند افراد زمین کی مختلف طرفوں مختلف شہروں اور مختلف ملکوں کے کونے کونے سے ایک ساعت کے اندر اکٹھے ہو جائیں گے۔ پھر خداوند متعال ارشاد فرماتے ہیں: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (سورہ بقرہ آیات ۱۵۵، ۱۵۶) اور ہم تمہیں ضرور

آزمائیں گے کچھ بھوک وخوف اور مال وجان اور پھلوں کی کمی کے ساتھ اور خوشخبری ہے صبر کرنے والوں کو کہ جن پر جب کوئی مصیبت آئے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم یقیناً خدا ہی کے لیے ہیں اور یقیناً ہم اُسی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

الحافظ القندوزی نے سورہ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث درج کی ہے، جس کی سند یہ ہے: محمد بن مسلم سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے، امام علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت قائم آلِ محمدؐ سے پہلے اللہ کی طرف سے مومنین کو مصیبتوں میں آزمانے کی نشانیاں ظاہر ہوں گی، حضرت محمد بن مسلم دریافت کرتے ہیں کہ وہ علامات کیا ہیں؟ آپ نے مذکورہ آیت کی تلاوت کی: ولنبلونکم.... بعض بیماریوں کے ساتھ ملاقات ہوگی والجوع.... بھوک چیزوں کے نرخ بڑھ جائیں گے، لوگ خرید نہ سکیں گے، قحط پڑے گا، اموال کی کمی واقع ہو جائے گی، موتیں عام واقع ہوں گی، جانوں کی کمی ہوگی...... (مختلف صورتوں میں حادثات وغیرہ) بارش نہ ہونے سے پھلوں میں کمی آجائے گی، اس وقت صابرین جنت کے مستحق ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: یا محمد یہ اس آیت کی تاویل ہے، اور تاویلِ قرآن کوئی نہیں جانتا سوائے خدا کے، جو علم میں راسخ ہے، اور ہم راسخون فی العلم ہیں..... ! علم میں ماہر ہیں۔ (ینابیع المودۃ، ص ۵۰۵)

ارشاد ربّ العزت ہے: آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۸۵) جو ایمان لائے رسول، اُس پر، جو اس پر نازل کیا گیا ہے، اس کے رب کی طرف سے اور مومنین بھی ایمان لائے، سب ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس کی کتابوں پر اور رسولوں پر۔ فقیہ شافعی (الحموینی) محمد بن ابراہیم نے اپنی کتاب فرائد السمطین میں اور فقیہ حنفی موفق ابن

احمد الخوارزمی نے المقتل (مقتل الحسینؑ) میں متعدد اسانید کے ساتھ جو وہاں مذکور ہیں، ابی سلمیٰ رسول خدا ﷺ کے اونٹوں کے چرواہے سے روایت کی ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا ﷺ سے سنا ہے: وہ فرمارہے تھے کہ جس رات مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو مجھے رب جلیل نے فرمایا: آمَنَ الرَّسُوْلُ...... تو حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا والمومنون..... اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے محمد ﷺ تو نے سچ کہا، پھر خدا نے پوچھا تو اپنی امت میں کسے جانشین چھوڑ آیا؟ میں نے کہا جو میری امت میں سب سے بہتر ہے۔ اللہ نے فرمایا: علیؑ کو چھوڑ آئے ہو؟ میں نے کہا، ہاں اے میرے رب! تو اللہ نے فرمایا: میں نے زمین پر خوب نظر ڈالی، اچھی طرح دیکھا، پس اہل زمین میں سے میں نے تمہیں چن لیا اور تمہارے لیے میں نے اپنے ناموں میں سے ایک نام نکالا، پس میں محمود ہوں، تو محمد ﷺ ہے..... پھر میں نے دوبارہ زمین کو نظر بھر کر دیکھا تو زمین والوں سے علی علیہ السلام کو چن لیا، اور ان کے لیے ابھی اپنے ناموں میں سے ایک نام مشتق کیا ہے، پس میں اعلیٰ ہوں، وہ علی ہے..... اے محمد ﷺ! میں نے تجھے علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام اور اُن کی ذرّیت سے نو ائمہ کو اپنے اصلی اعلیٰ نور سے پیدا کیا اور تمہاری ولایت کو آسمانوں اور زمینوں پر رہنے والوں پر پیش کیا۔ پس جس نے تمہاری ولایت کو قبول کیا، میرے نزدیک وہ مومنین میں شمار ہوا، اور جس نے تمہاری ولایت کا انکار کیا، وہ میرے نزدیک کافرین میں داخل ہوا۔ اے محمد ﷺ اگر کوئی بندہ میرے بندوں میں سے میری اتنی عبادت کرے کہ عبادت کرتے کرتے ختم ہو جائے یا پرانی سوکھی مشک کی مانند ہو جائے، پھر میرے پاس اگر تمہاری ولایت سے انکار کرے تو میں اسے ہرگز نہ بخشوں گا جب تک کہ تمہاری ولایت کا اقرار نہ کرے، میری عبادت اسے فائدہ نہ بخشے گی۔ اے محمد ﷺ! کیا تم ان کو دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ میرے

پروردگار! تو میرے رب نے فرمایا: کہ میرے عرش کے دائیں طرف منہ پھیر.... حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے دائیں طرف مڑ کے جب دیکھا تو ناگہاں مجھے علیؑ فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ علی ابنِ الحسینؑ، محمدؑ بن علیؑ، جعفرؑ ابنِ محمدؑ، موسیٰؑ بن جعفرؑ، علیؑ ابنِ موسیٰؑ، محمد بن علیؑ، علی بن محمد حسنؑ بن علیؑ، اور القائم المہدی علیہ السلام نظر آئے...... تیرہ معصومینؑ کی شکلیں حالت قیام میں، مصروف عبادت تھیں۔ اور امام زمانہؑ انہی نورانی گروہ کے درمیان تھے، گویا وہ نور کے مجمع میں چمکتے ہوئے تارے تھے۔ اللہ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! یہ زمین پر میری حجتیں اور القائم تیری عزت میں مزید وقار، تاثیر اور ضوافشانی کا باعث ہیں۔ جوش میں آنے والے اور انتقام لینے والے ہیں۔ مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم ہے وہ حق کا سیدھا اور ضروری راستہ ہیں۔ میرے دوستوں کا بدلہ لیں گے ان کے دشمنوں سے۔ آخر میں اس حدیث میں مشکل الفاظ کے معانی واضح کیے گئے ہیں..... صحصاح یعنی مجمعِ نور...... وھوفی وسطہم۔ امام مہدی علیہ السلام ان کے درمیان تھے، گویا ائمہؑ ایک دائرہ کی صورت میں حالتِ قیام میں تھے اور حضرتؑ ان کے وسط میں کھڑے تھے...... کوکب دُرّی...... چمکنے والا ستارہ........ وھوالتاثیر........ وہ ظلم و باطل پر بھڑک کر حملہ کریں گے اور اسے مٹائیں گے...... الحجہ...... حق یا سیدھا راستہ...... مذکورہ حدیث کو اہل سنت کی درج ذیل کتابوں سے نقل کیا گیا ہے (فرائد السمطین ج ۲، آخری حصہ۔ مقتل الحسینؑ ج ۱، ص ۹۵۔ اقرب الموارد، ج ۱، مادۃ صحح)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مقالہ4: اسباب غیبت امام زمانہؑ

(سید عطا حسین نقوی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولیمحص اللہ الذین آمنوا ویمحق الکافرین (انفال آیت: ۳۲) "اور تا کہ خالص کرے، اللہ ایمان والوں کو اور مٹادے کافروں کو" اس موضوع کے بارے میں بحث نہایت طویل ہے، اور مروی روایات بہت زیادہ ہیں، لیکن یہ بات جاننا ضروری ہے کہ آیا کوئی غیبت کا فلسفہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں، یا یہ کہہ سکتا ہے کہ جب مجھے غیبت کا سبب ہی نہیں معلوم تو میں اُس مہدیؑ پر کہ جس کی تم لوگ بات کر رہے ہو، کیوں کر ایمان لاؤں.........؟

ہر وہ چیز جو کائنات میں عدم سے وجود میں آئے یا وجود سے معدوم ہو جائے، اس کے وجود اور عدم کے لیے کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے..... خداوند عالم کے ہر قول و فعل میں اسرار و رموز پوشیدہ ہوتے ہیں۔ خدا حکیم ہے، وہ کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیتا ہے نہ ہی کسی ایسی چیز سے روکتا ہے کہ جس میں کوئی مصلحت نہ ہو، اسی طرح غیبت امام بھی اللہ کے امور میں سے ایک خاص امر ہے، اس کے رازوں میں سے ایک راز ہے، جو کسی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہے۔

الفقیہ الشافعی الحموینی نے سند کے ساتھ ایک حدیث روایت ہے کہ جناب سعید ابن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ نے

فرمایا: بیشک علیؑ میرا وصی ہے، اس کی اولاد سے القائم المنتظرؑ ہیں، ان کے ذریعے سے زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی، جس طرح سے ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ نیز فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا یقیناً وہ لوگ جو ان کی امامت پر قول و قرار سے ثابت قدم ہیں، وہ مجھے کبریت احمر (خالص سرخ سونا) سے بھی زیادہ عزیز ہیں، پس جابر بن عبداللہ انصاریؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم القائمؑ جو کہ آپ کی اولاد سے ہوں گے، کیا اس کے لیے بھی غیبت ہوگی.....تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اور مجھے میرے رب کی قسم ہے کہ ضرور ہوگی اور اس عرصہ غیبت میں اللہ تعالیٰ مومنین کو خالص کرے گا اور کافروں کو مٹا دے گا۔ اے جابرؓ! یہ غیبت اللہ تعالیٰ کے امور میں سے ایک خاص امر ہے اور اس کے رازوں میں سے ایک خاص راز ہے، جس کی علت کا راز لوگوں سے پوشیدہ ہے، پس شک سے بچنا، کیونکہ اللہ کے امر میں شک کرنا کفر ہے۔

دوسری روایت: کمال الدین میں عبدالواحد ابن عبدوس العطار نے علی ابن محمد ابن قتیبہ نیشاپوری سے، انہوں نے عبداللہ ابن جعفر مدائنی سے اور انہوں نے عبداللہ بن فضل ہاشمی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ صاحب الامرؑ کے لیے غیبت ناگزیر ہے۔ اس میں ہر باطل پرست بہت شک کرے گا۔ میں نے عرض کی: میں قربان ہو جاوں آپ پر...ایسا کیوں ہوگا....؟ فرمایا: اس کا جواب بیان کرنے کی ہمیں اجازت نہیں ہے۔ میں نے عرض کی کہ اس غیبت کا فلسفہ کیا ہے؟ تو فرمایا: اس سے پہلے جو خدا کی حجتیں گزری ہے، ان کی غیبت کا فلسفہ بیان ہوا ہے، لیکن اس غیبت میں کیا حکمت ہے، یہ ان کے ظہور کے بعد منکشف ہوگا۔ مثلاً فرماتے ہیں، جیسا کہ جناب خضرؑ کا کشتی میں

سوراخ کرنا، لڑکے کو قتل کرنا اور دیوار کو سیدھا کرنے کی حکمت کا علم موسیٰؑ کو اس وقت ہوا جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ فرمایا: اے فضل کے فرزند! یہ امر، امر خدا ہے اور خدا کے رازوں میں سے ایک راز ہے، خدا کے غیوب میں سے ایک غیب ہے۔

تیسری روایت: عیون اخبار الرضا میں علی ابن فضال نے اپنے والد سے، انہوں نے ابوالحسن علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے روایت کی کہ امام رضاؑ نے فرمایا: کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں اپنی اولاد کے تیسرے کے غائب ہو جانے کے وقت ہمارے شیعوں کو چوپایوں کی مانند پریشان و سرگرداں ہونا پڑے گا کہ جن کو پناہ گاہ نہیں ملتی، میں نے عرض کی: ایسا کیوں ہوگا؟ اس لیے کہ ان کا امامؑ غائب ہوگا۔ قربان جاوں آپ پر کہ وہ کیوں غیبت میں چلا جائے گا؟ اس لیے کہ جب آپ تلوار کے ساتھ قیام کریں گے تو کوئی آپ کی گردن میں اپنی بیعت کا قلاوہ (پھندا) ڈالنے کی کوشش نہ کرے۔ (یہ حدیث کمال الدین و علل الشرائع میں بھی موجود ہے)

غیبت کا فلسفہ ذکر کرنے سے پہلے دو اہم باتوں کا تذکرہ کرنا ضروری ہے:

اوّل: ہر دعوت دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ دعوت دینے سے پہلے اسباب ظاہری اور معمول کے مطابق عوامل سے مدد لیں۔

دوّم: جس طرح لوگوں پر واجب تھا کہ رسول اکرم ﷺ سے دشمنوں کو دور رکھیں، اس طرح امام علیہ السلام کی نسبت بھی لوگوں پر واجب ہے کہ آپ کو دشمنوں سے کوئی ضرر نہ پہنچنے دیں۔ اور امامؑ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنے اتصال کو بھی برقرار رکھیں اور احکام بھی سیکھیں۔ لیکن جب مسلمانوں نے اپنی یہ ذمہ داری ادا نہ کی اور امامؑ کو بے یار و مددگار اسی طرح دشمنوں میں چھوڑ دیا کہ امامؑ کو اپنے قتل کا اندیشہ ہوا تو پھر امامؑ کو گوشہ نشینی اور سکوت کی راہ

کے ذریعے سے اپنی اس دعوت اور تبلیغ سے ہاتھ اٹھانا پڑا، لیکن قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس صورت میں تمام ذمہ داری اور گناہ اُمّت کی گردن پر ہے۔ امام علیہ السلام کے کاندھوں پر نہیں۔ اس بات کی طرف خواجہ نصیر الدین طوسی نے اپنی کتاب تجرید الاعتقاد میں بھی اشارہ کیا ہے: لکھتے ہیں کہ وجودِ امام زمانہؑ لطفِ خدا ہے، اور امامؑ کا معاشرے کی باگ ڈور سنبھالنا اس سے بہتر لطف و کرم ہے، اور اگر اِس زمانے میں امامؑ بہ نفسِ نفیس امور کی باگ ڈور کو ہاتھ میں نہیں لیتے تو اس کا باعث خود ہم لوگ ہیں۔

ہر شبِ جمعہ ہم اپنے اعمال کا بغور جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ کیا واقعاً ہمارے اعمال (خدا نہ خواستہ) ایسے تو نہیں، جن کے باعث امامِ زمانہؑ کے ظہور میں تاخیر ہو رہی ہے.... اور اگر (خدا نہ کرے) ایسا ہی ہے تو اپنے اعمال کی اصلاح کی بھرپور کوشش کریں۔ خداوند کریم سے زیادہ سے زیادہ استغفار و توبہ کریں اور امیرِ کائنات امام زمانہؑ سے مدد مانگیں، اِس لیے کہ اِس وقت روئے زمین پر وہی خُدا کی حُجت ہیں با الفاظ دیگر اُن کی مدد درحقیقت اللہ کی مدد ہے۔ اس بات کے روشن ہو جانے کے بعد ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

فلسفہ غیبت:

اس کے بارے میں مندرجہ ذیل باتیں قابلِ ذکر ہیں:

(۱) شیعوں بلکہ غیر شیعوں کی سرزنش

(۲) آپؑ کا اپنی دعوت کے سلسلے میں بیرونی دباؤ کے تحت نہ آنا اور تمام امور کو براہ راست ہاتھ میں لینا۔

(۳) نفوسِ انسانی کی تہذیب و تکمیل۔

(۴) لوگوں کا امتحان و آزمائش۔

(۵) قتل کا اندیشہ۔

(۶) ظالموں سے بدلہ لینا۔

(۷) امام کا جملہ انبیاءؑ کا مظہر ہونا۔

(۸) شبِ قدر میں ملائکہؑ کے نزول کا فلسفہ۔

شیعوں بلکہ غیر شیعوں کی سرزنش:

وہ امت جس میں رسول ﷺ یا امام موجود ہو اور امت اُن کے حقوق ادا نہ کرے اور احکامات کی تکمیل نہ کرتے ہوں، امام اور رسول ﷺ کے امر و نہی کو قبول نہ کریں بلکہ طغیانی کی حدوں کو پھلانگتے ہوئے ہر قسم کی اذیت اور آزار کو روا رکھیں تو اس صورت میں امام یا رسول ﷺ کے لیے جائز ہے کہ وہ گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرتے ہوئے امت کو چھوڑ دے، تاکہ امت کے ایسے افراد کی سرزنش ہو اور وہ اپنے کیے ہوئے برتاو کی سزا بھگت سکیں، اور دوبارہ امام یا رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں، اور اپنے فکری راستے کو طے کرتے ہوئے امام علیہ السلام کی اطاعت کو اپنی نصب العین قرار دیں امام اور رسول ﷺ سے دور رہنے کے نتیجے میں آپ کے وجود کی نعمت کا اندازہ کرسکیں۔ جب گوشہ نشینی اور دعوت کو کا ترک کرنا امت کی کسی سرزنش اور تنبیہ کی خاطر ہو تو یقیناً امت کی بھلائی و مصلحت اسی میں ہے۔ خواہ امت اس نکتے کو درک کرے یا نہ کرسکے۔ اس گوشہ نشینی اور دعوت ترک کرنے کی نہ کوئی حد ہے، نہ کوئی

مقرر وقت ہے۔ تاریخ کے اوراق اہلِ بیتؑ، وصیِ رسالت مآب ﷺ اور آلِ محمدؐ پر کیے گئے ظلم و ستم اور آلِ محمدؐ کے اس حق کو (جس کو باری تعالیٰ نے اجرِ رسالت قرار دیا) لوٹنے اور دوسرے شدید مظالم سے سیاہ ہیں، بلکہ زندگی کو ان لوگوں پر سخت تنگ کرنے اور ان کی اولاد کو اور خود ان کو قتل، قید و بند، پھانسی دینے، در بدر اور بے سہارا و بے وطن کرنے جیسی تکالیف سے بھی گریز نہیں کیا۔ بلا شک اور شبہ، امام مہدی علیہ السلام ان تمام باتوں سے بخوبی واقف ہیں، لہٰذا آپ کا گوشہ نشینی اور مخفی زندگی میں چلے جانا اُمت کو اس کے حال پر چھوڑ دینا دراصل اس غیبت سے آپ کی غرض اُمت کی سرزنش، تنبیہ، اپنے رشد کی جانب لوٹنا اور امامؑ کے وجود سے حاصل شدہ فوائد کا شعور دینا ہے۔

علل الشرائع میں مستند روایت سے امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ ربّ العزت جب کسی قوم کی موجودگی کو ہمارے اطراف پسند نہیں کرتا تو ہمیں اس قوم سے اٹھالیتا ہے...

آپ کا اپنی دعوت کے سلسلے میں بیرونی دباؤ کے تحت نہ آنا:

جو شخص بھی کسی اصلاحی تحریک کا علمبردار ہوتا ہے، خواہ تحریک دنیوی ہو یا دینی، اس کو بہت سے مددگار افراد کی ضرورت ہوتی ہے، بعض صاحبانِ اقتدار با وثوق شخصیات کے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں تاکہ وہ اس شخصیت کو بہ وقت ضرورت فراہم کر سکیں۔ یہاں تک کہ تحریک کی کامیابی اور امور کی باگ ڈور اس قائد کے ہاتھ میں آ سکے، اسی طرح امام مہدی علیہ السلام جب ظہور کریں گے تو آپ اپنی دعوت اور تحریک آگے بڑھانے کے لیے معمول کے مطابق ظاہری وسائل کو بھی بروئے کار لائیں گے۔ اس کے علاوہ اُن کے تمام تر فیصلے حقیقت پر مبنی ہوں گے اور

کسی کا خوف آپ کو لاحق نہیں ہوگا، یہی مضامین بہت ساری روایات سے ثابت ہیں کہ آپؑ کا دورِ حق و صداقت کا دور ہوگا۔ جو کہ تقیہ سے متضاد ہے، جس کا لازمہ یہ ہے کہ آپؑ کی گردن میں کسی قسم کی بیعت کا طوق نہ ہوگا۔ اور ابو عبداللہؑ سے مستند روایت ہے کہ قائمؑ اس شان سے قیام کرے گا کہ اُس کی گردن میں کسی بھی بیعت کا طوق نہ ہوگا۔

نفوسِ انسانی کی تہذیب و تکمیل:

یہ امر بھی کسی ذی شعور سے پوشیدہ نہیں ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جب حضرت امام مہدیؑ قیام کریں گے تو اپنے علم کو بروئے کار لاتے ہوئے حکم کریں گے اور تمام حقائق سے پردہ اٹھائیں گے، یعنی ان تمام بے بنیاد، من گھڑت اور لہو و لعب باتوں کو دین سے جدا کریں گے یہاں تک کہ لوگ یہ سمجھیں گے گویا آپؑ ایک جدید دین اور نئی کتاب لے کر آئے ہیں، ساتھ ہی ان اصطلاحات اور حقائق کو نشر کرنے کے لیے عقلِ انسانی کو موجودہ سطح سے کہیں زیادہ بلند و اعلیٰ اکمل العقول کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے کہ آپؑ کے ظہور میں تاخیر اور غیبت کے استمداد (طولانی) ہونے کا سبب مطلوبہ ترقی اور عقلِ انسانی کے کمال کا حصول ہو کہ جو آج کے سائنسی علوم کی بدولت روز بہ روز ترقی کے منازل طے کر رہی ہے۔

لوگوں کا امتحان و آزمائش:

ان اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ غیبت کے زمانے میں بندوں کا امتحان لیا جائے، خداوند عالم نے جب سے اپنے بندوں کی جانب ارسالِ رُسلؑ و بعثت انبیاءؑ کو شروع کیا، اُسی وقت سے سنتِ الٰہی بھی یہی ہے کہ خداوند عالم اپنے بندوں کا امتحان لے اور ان کو آزمائش میں ڈالے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: لیھلک من ھلک .... تاکہ جو شخص

ہلاک (گمراہ) ہو وہ حجت تمام، ہونے کے بعد ہلاک اور جو شخص زندہ رہے وہ حجت تمام ہونے کے بعد زندہ رہے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے کہ الم احسب.... کیا لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ انہیں صرف یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں، چھوڑ دیا جائے گا؟ اور ان کا امتحان (آزمائش) نہ لیا جائے گا؟ (سورہ عنکبوت آیت:۲)

شریعتِ اسلام ہر طرح سے کامل ہے، اس میں بہت ساری خوبیاں ہیں، جو کسی دوسری شریعت میں نہیں ہیں۔ لہٰذا اس امت کو بھی وہی تمام امتحان و آزمائشیں درپیش ہوں گے جو کہ پہلی امتوں کو درپیش تھیں۔ پس حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت کے زمانے میں لوگوں کا عملی و ایمانی امتحان لیا جائے گا۔ عملی امتحان اس لحاظ سے کہ زمانۂ غیبت میں بہت شدید فتنے رونما ہوں گے، کہ دینی امور کی انجام دہی دشوار ترین کام ہوگا اور ایمانی امتحان اس لحاظ سے کہ زمانۂ غیبت میں وہی انسان آپؑ پر ایمان لائے گا، جس کا ایمان کامل اور نیت خالص ہوگی۔

قتل کا اندیشہ:

حضرت مہدی علیہ السلام کی غیبت قتل کے اندیشے کی وجہ سے ہوئی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ظاہراً غیبت کا سبب قتل کے اندیشے کی وجہ سے ہے، کیونکہ آپؑ کے دشمنوں نے آپؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور وہ آپؑ کے نور کو بجھانا چاہتے تھے، پس اس صورت میں آپؑ کے پاس سوائے غیبت اختیار کرنے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ یہاں تک کہ خدا اپنے امر کو ظاہر کرے اور اپنا نور کامل کرے۔ یقیناً باری تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک مقدار معیّن کی ہے، جیسا کہ قرآن مجید اس مطلب کو بیان کرتا ہے: فــرر ت..... پس جب میں آپ لوگوں سے ڈرا تو میں بھاگا (سورہ شعراء آیت:۲۱)، نیز ارشاد ہوتا ہے: ان الــمــلاء ... بے شک بڑے بڑے لوگ

تمہارے (موسیٰ) قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، لہٰذا تم نکل جاؤ۔ (سورہ قصص آیت: ۲۰)

ظالموں سے بدلہ لینا:

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت اس لیے ہوئی کہ خداوند عالم ایک وقتِ معیّن میں آلِ محمدؐ پر کیے گئے مظالم کا بدلہ امامؑ کے ذریعے سے لے گا، آپؑ عہدِ اوّل سے یعنی بنی امیہ اور بنی عباس کے ظالموں سے مکمل بدلہ لیں گے۔ (کتاب کمال الدین)

امام کا جملہ انبیاءؑ کا مظہر ہونا:

آپؑ جملہ انبیائے کرامؑ کے مظہر تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ انہی کی طرح آپ کی غیبت بھی ہو۔ جس طرح بادشاہِ وقت کے مظالم کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام اپنے عہدِ حیات میں مناسب مدّت تک غائب رہ چکے تھے، اسی طرح آپؑ بھی غائب ہیں۔ (کتاب چہاردہ معصومینؑ، علامہ نجم الحسن کراروی)

شب قدر میں ملائکہؑ کا نزول:

سورہ "انا انزلنا" سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ ملائکہ "شب قدر میں ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نزولِ ملائکہ انبیاءؑ و اوصیاءؑ ہی پر ہوتا ہے۔ امام مہدی علیہ السلام کو اس لیے موجود اور باقی رکھا گیا ہے تاکہ نزولِ ملائکہؑ کی مرکزی غرض پوری ہو سکے اور شب قدر میں آپؑ پر نزولِ ملائکہ ہو سکے۔ (کتاب چہاردہ معصومینؑ، علامہ نجم الحسن کراروی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مقالہ:۵)علاماتِ ظہور امام مہدی (عج)

(سید مجتبیٰ موسوی)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۔ (سورہ نور آیت:۵۵) تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجالائے ہیں، اللہ نے اُن سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین میں اسی طرح جانشین بنائے گا جس طرح ان سے پہلوں کو جانشین بنایا اور جس دین کو اللہ نے ان کے لیے پسندیدہ بنایا ہے، اسے پائیدار ضرور بنائے گا، اور انہیں خوف کے بعد امن ضرور فراہم کرے گا۔ وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اس کے بعد جو لوگ کفر اختیار کریں گے پس وہی فاسق ہیں۔

تمہید :

ساری زمین پر امن کے قیام کے واسطے ایک عالمی مصلح کا ظہور حتمی ہے اور ایک عادلانہ حکومت روئے زمین پر ضرور قائم ہوگی۔ اس عقیدے کا تعلق صرف آسمانی ادیان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، بلکہ دنیا میں جتنے فلسفی اور اجتماعی مکاتب ہیں، جو کہ غیر دینی ہیں، وہ بھی اس بات کے قائل ہیں۔ جیسے مادہ پرستوں، کمیونسٹوں، اور سوشلسٹوں کو لے لیں، جو تاریخ کا تجزیہ و تحلیل تنازعات

اور تضادات کے ٹکراوے کرتے ہیں، وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ ایک یوم موعود ہے۔ جس میں ہر قسم کے تناقضات اور تضادات کا انسانی طبقات میں خاتمہ ہو جائے گا اور پوری انسانیت پر محبت و ہم آہنگی اور امن و سکون غالب آجائے گا۔ اس طرح ہم بہت سارے علمائے دین، مفکرین اور دانشوروں کے متعلق جانتے ہیں کہ وہ بھی اس بات کو یقینی سمجھتے ہیں کہ زمین پر ایک دن عدالت کا نفاذ ہوگا اور زمین پر خوشحالی کا دور ہوگا۔

مشہور دانشور (برٹرنڈرسل) جو کہ برطانیہ سے تعلق رکھتا ہے، اس کا قول ہے کہ پورا عالم ایک ایسے اصلاح کنندہ کا منتظر ہے جو سب کو ایک پرچم تلے جمع کردیں گے اور سب کو آپس میں بھائی بنائیں گے۔

معروف ماہر دانشور البرٹ آئنسٹائن کہتے ہیں کہ ایک دن پورے عالم پر امن اور سلامتی کا راج ہوگا اور سب لوگ آپس میں بھائی بھائی بن جائیں گے، اسی طرح خود خداوند عالم نے آیت سابق (وعد اللہ) میں بھی ایک ہادی اور خلیفہ کا ذکر کیا ہے، اور رسول اکرم ﷺ نے اس آیت میں مذکور خلیفہ و ہادی کی تشریح و تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ میری عترت میں سے ایک فرد زمین پر حاکم ہوگا، اس کا نام میرا نام ہوگا، اور وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح زمین ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ اسی طرح سورہ ہود آیت (۸۲) میں بھی اسی ہستی کا ذکر ہے: بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین..... اللہ کی طرف سے باقی رہنے والا تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم مومن ہو اور میں تم پر نگہبان تو نہیں ہوں۔ اس آیت کے بارے میں اہل سنت کے مشہور عالم نے اپنی کتاب (فصول المہمہ) میں ایک طولانی حدیث

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی علامات کے بارے میں امامؑ سے نقل کی ہے اور اس کے آخر میں لکھتے ہیں کہ اُس وقت ہمارا قائمؑ ظہور کرے گا کہ خانہ کعبہ کی دیوار پر سہارا دے کر کھڑا ہوگا اور خالص مومنین میں سے تین سو تیرہ لوگ آپؑ کے پاس جمع ہوں گے اور ان پر حجت تمام کریں گے اور فرمائے گا کہ میں بقیۃ اللہ اور اُس کا خلیفہ، تم پر حجت ہوں، اس وقت تمام لوگ بقیۃ اللہ کہہ کر اُن کی طرف رُجوع کریں گے۔

مذکورہ احادیث اور روایات کے علاوہ اور بھی روایات و احادیث معصومینؑ میں آپؑ کے قیام وظہور کے لیے واضح دلائل موجود ہیں، اور اِن آیات اور روایات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ اس روئے زمین پر ایک ایسے رہبر کی ضرورت ہے، جو ہماری رہنمائی کرے، اور اس روئے زمین کو عدل و انصاف سے معمور کرے۔اب ان باتوں کے ثابت ہونے کے بعد ہمارے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بقیۃ اللہ اور خدا کی حجت کا کب ظہور ہوگا۔۔۔۔۔؟ تو اس کے جواب میں ہم ائمہ معصومینؑ کی احادیثِ مُبارکہ کی طرف رجوع کریں تو ہمارے لیے یہ بات بھی واضح ہو جائے گی، چنانچہ اس کے بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں علاماتِ ظہور کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) علاماتِ حتمی (۲) علاماتِ غیر حتمی:

ائمہ معصومینؑ اور ہادیانِ دینؑ نے امام زمانہؑ کے ظہور کی بہت سی نشانیاں بیان کی ہیں، جن کو اس مختصر کتابچے میں بیان نہیں کیا جا سکتا، لیکن باوجود اس کے چند روایات و احادیث پیشِ خدمت ہیں: فضیل ابن یسار نے کتاب غیبت نعمانی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: علاماتِ ظہور دو قسم کی ہیں:

(۱) حتمی (۲) غیر حتمی۔ جبکہ سفیانی خروج حتمی علامات میں سے ایک ہے۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے بارے میں اگرچہ غیر حتمی علامات بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی جامع حدیث پر اکتفا کریں گے، امام کی اس حدیث میں بہت سی ایسی علامات کو آج ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں چند علامات ملاحظہ فرمائیں:

صالح غلام ابی العدوہ نے امام صادقؑ سے روایت نقل کی ہے: قائم آل محمد ﷺ کا ظہور اس وقت ہوگا جب نفس ذکیہ کا قتل ہوگا، اور آپ کے ظہور اور نفس ذکیہ کے قتل کے درمیان پندرہ دن کا فاصلہ ہوگا۔ شیخ طوسیؒ نے اپنی کتاب غیبت میں امام صادقؑ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

محمد بن مسلم امامِ صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام صادق سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا قائمؑ کے ظہور سے پہلے کچھ علامات ہیں جو خدا کی طرف سے مومنین کے لیے رونما ہوں گی، میں نے عرض کیا مولا وہ علامتیں کیا ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا: خدا کا قول ہے: ولنبلونکم..... (سورہ بقرہ: ۱۵۵) یعنی ہم حضرت قائمؑ کے ظہور سے پہلے مومنین کو ضرور آزمائیں گے، ہم بنی فلاں کے بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ کو کچھ خوف اور بھوک یعنی ان کی قسمت کے گراں ہونے اور مال کے نقصان یعنی تجارت کے برباد اور کم منافع اور موت کے ذریعے اور ہلاکتوں کے نقصانات کے ذریعے آزمائیں گے۔ اس زمانے میں قائمؑ کا ظہور

جلد ہونے کی صابروں کو بشارت دے دو۔ پھر آپؑ نے مجھ سے فرمایا: اے محمدؐ! یہ اس کی تاویل ہے اور خداوند عالم کا ارشاد ہے، اس کی تاویل سوائے خدا اور علم میں راسخ لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ اسی حدیث کو نعمانی اپنی کتاب میں اپنی سند سے محمد بن مسلم سے اور انہوں نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے، اسی حدیث کو کتاب ینابیع المودۃ (ص۴۲۲) میں مختصر طور پر نقل کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن عجلان حضرت امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں: میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا اور آپ حضرت قائمؑ کا ذکر کر رہے تھے، میں نے عرض کی: ہم انہیں کیسے پہچانیں گے؟ فرمایا: تم میں سے ایک شخص اس حال میں صبح کرے گا کہ اس کے سر پر ایک صحیفہ ہوگا جس پر مرقوم ہوگا: طاعۃ معروف۔

محمد بن ہمام نے ورد سے، انہوں نے حضرت امام باقرؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرتؑ کے ظہور سے پہلے دو اشارے ہیں: پہلا چاند کو پانچ مرتبہ گہن لگے گا، اس کے بعد سورج کو چندرہ مرتبہ گہن لگے گا جو کہ حضرت آدمؑ کے زمین پر آنے کے بعد سے اس وقت تک کبھی نہ لگا ہوگا۔ اس وقت نجومیوں کا حساب ناکام ہو جائے گا۔ شیخ طوسیؒ کی غیبت میں بدر ابن خلیل سے، بشارۃ الاسلام میں یزید ابن خلیل سے ایسی ہی روایت نقل ہوئی ہے۔

ارشاد محمد بن ابی البلاد نے علی بن محمد ازدی سے، انہوں نے حضرت امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ظہور قائمؑ سے پہلے سرخ و سفید موت ہوگی، اور ان کے زمانے میں ٹڈیاں اور ان کے علاوہ خونی رنگ کی ٹڈیاں ہیں، ان سے مراد سرخ موت ہے اور سفید

موت سے مراد طاعون کی بیماری ہے۔ اسی حدیث کو شیخ طوسیؒ نے اپنی کتاب غیبت میں نقل کیا ہے۔

داود بن سرحان نے حضرت امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس سال چیخ سنائی دے گی، اس سے پہلے رجب میں ایک نشانی ہے، میں نے عرض کیا: وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ چاند میں ایک کھلا چہرہ نظر آئے گا۔

اسعاف الراغبین (۱۲۶) ص میں، حاکم نے رسولِ خدا ﷺ سے حدیث نقل کی ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد میرے وہ خلیفہ ہوں گے، ان کے بعد اُمراء اور اُمراء کے بعد بادشاہ وسلاطین، اور سلاطین کے بعد جابر حکمراں اور ان کے بعد اہل بیت علیہم السلام میں سے ایک شخص خروج کرے گا کہ جو زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔

عقد الدرر، باب نہم، فصل سوم میں حافظ ابو نعیم کی کتاب صفۃ المہدی سے اور وہ علی ہلال سے، اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی ظاہری زندگی کے آخری لمحات میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث نقل فرمائی کہ اے فاطمہؑ! قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا کہ اس اُمّت کا مہدیؑ میرے نواسے (حسنؑ وحسینؑ) کی نسل سے ہوگا۔ جب دنیا میں نفسا نفسی کا دور دورہ ہوگا، فتنے سر اٹھا چکے ہوں گے، اُمید کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہوں گی، اور لوگ ایک دوسرے سے لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہوں گے، نہ بڑے چھوٹوں پر رحم کریں گے اور نہ

چھوٹے بڑوں کا ادب کریں گے۔ اس موقع پر خدا امام مہدیؑ کو ظاہر کرے گا جو گمراہی کے قلعوں کو منہدم اور مہر لگے ہوئے دلوں کو مسخر کرے گا، اس کا بیڑا آخری زمانے میں اس طرح اٹھے گا جس طرح میں نے پچھلے زمانے میں اٹھایا تھا اور دنیا کو عدل سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھر چکی ہوگی۔

آفت اور نعمت:

عقد الدرر (ص:۴۳) باب چہارم، فصل اوّل میں حضرت امام باقرؑ محمد بن علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: مہدیؑ اُس وقت تک ظاہر نہیں ہوگا جب تک کہ لوگوں کے درمیان شدید خوف و ہراس نہ پھیل جائے اور لوگ زلزلوں اور فتنوں کی آفت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ عربوں کے درمیان طاعون اور ایک شمشیر برندہ نمودار نہ ہو جائے اور لوگوں کا دین ابتری کا شکار نہ ہو جائے اور ان کی حالت دگرگوں نہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ تمنا کرنے والا ہر شخص صبح و شام موت کی تمنا نہ کرے، یہاں تک کہ آپ نے آخر میں فرمایا: اس ناامیدی اور یاس کے درمیان میں اس کا خروج ہوگا۔

الملاحم والفتن (ب:۱۷۱) میں نعیم ابن حماد تابعی کی کتاب الفتن میں ہارون ابن ہلال نے امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: مہدیؑ اُس وقت تک ظہور نہیں کریں گے جب تک ظلمت طاری نہیں ہوگی۔

نور الابصار باب دوم (ص ۱۵۵) پر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب مرد عورتوں اور عورتیں مردوں کی شبیہ بنیں گی اور عورتیں زین پر سوار ہوں گی اور

لوگ نماز کو ختم کریں گے، شہوتوں میں غرق ہوں گے، اور خوں ریزی کو معمولی بات سمجھیں گے۔ سود کے ذریعے کاروبار کریں گے، کھلم کھلا زنا کریں گے، عمارتوں میں بناؤ سنگھار کرنے لگیں گے، جھوٹ کو حلال سمجھیں گے، رشوت ستانی عام ہوگی، خواہشوں کی پیروی کریں گے، اور دین کو دنیا کے عوض بیچ دیں گے، قطع رحمی اور کھانے میں کنجوسی کریں گے، اُس وقت بُردباری کو کمزوری اور ظلم کو فخر سمجھا جائے گا۔ اُمراء فاجر ہوں گے، امانت دار خیانت کار ہوں گے، مددگار ظالم ہوں گے، قاری فاسق ہوں گے، ظلم و زیادتی عام ہوگی، طلاق کی کثرت ہوگی، شراب نوشی کا رواج ہوگا، عورتیں عورتوں کے ذریعے شہوت کی آگ بجھائیں گی، شریر لوگوں کی زبان کے خوف سے نیک لوگ خاموش رہیں گے، مکہ و مدینہ کے درمیان بیدا کی زمین دھنس جائے گی، اور آلِ محمد ﷺ کا ایک شخص رکن و مقام کے درمیان قتل کردیا جائے گا، اور آسمان سے آواز بلند ہوگی کہ حق اس کے اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہے، نیز آپ نے فرمایا: جب مہدیؑ ظہور کریں گے تو خانہ کعبہ سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوں گے، اور ان کی اتباع کرنے والوں میں سے ان کے پاس تین سو تیرہ افراد جمع ہوں گے، اور آپ اوّلین جملہ جو ارشاد فرمائیں گے وہ آیت یہ ہے: بقية الله خير لكم ان كنتم مومنين؛ (سورہ ہود آیت: ۸۶) اور اس وقت جو بھی آپ کو سلام کرے گا اس طرح کرے گا: السلام علیکم یابقیۃ اللہ فی الارض، پھر اس کے بعد جب آپ کے پاس دس ہزار آدمیوں کا لشکر ہوگا تو اس وقت کوئی یہودی و نصرانی باقی نہیں رہے گا اور نہ کوئی غیرِ خدا کی عبادت کرنے والا ہوگا، بلکہ ہر ایک ان پر ایمان لائے گا۔

نہج البلاغہ (خطبہ:۸۶) میں ہے کہ قائمؑ اُس وقت ظہور فرمائیں گے جب باطل اپنی جڑ سے متصل ہو جائے گا اور جہل اپنی سواریوں پر سوار ہو جائے گا، اور طغیانیاں بڑھ جائیں گی، حق کی آواز دب جائے گی، اور زمانہ پھاڑ کھانے والے درندوں کی طرح حملہ کرے گا، اور باطل کا اونٹ چپ رہنے کے بعد پھر بلبلانے لگے گا، لوگ فسق و فجور میں متحد و متفق ہو جائیں گے اور دین کے سلسلے میں ان کے درمیان تفرقہ پڑ جائے گا، بیٹا بھی غیظ و غضب کا باعث ہو جائے گا، بارش کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا، اور برے اور کمینے لوگ پھیل جائیں گے، شریفوں کو گھیٹا جائے گا اور زمانے کے لوگ بھیڑیے اور حاکم درندے ہوں گے اور درمیانی طبقے کے لوگ کھا پی کر مست رہیں گے اور نادار و مفلس بالکل مردہ ہو جائیں گے، سچائی دب جائے گی، جھوٹ ابھر جائے گا، صرف زبانی جمع خرچ ہوگا، کسی کو کسی سے دلی لگاؤ نہ ہوگا، نسب کا معیار زنا ہوگا، عفت و پاکدامنی نرالی چیز سمجھی جائے گی، اور اسلام کا لبادہ پوستین کی طرح الٹا اوڑھا جائے گا۔

نہج البلاغہ (کلمات قصار:۱۰۲) میں حضرت امام علیؑ فرماتے ہیں کہ عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں لوگوں کے عیوب بیان کرنے والا ہی بارگاہوں میں مقرب ہوگا، اور جابر و فاسق کو خوش مذاق تصور کیا جائے گا اور انصاف پسند کو کمزور و ناتواں سمجھا جائے گا۔ صدقے کو لوگ خسارہ اور صلہ رحمی کو احسان سمجھیں گے اور عبادت لوگوں پر تفوق جتانے کے لیے کی جائے گی۔ اس زمانے میں حکومت کا دارومدار عورتوں کے مشورے، نوخیز لڑکوں کی کارفرمائی اور خواجہ سراؤں کی تدبیر پر ہوگا۔

کتاب البرہان فی علامات مہدی آخرالزمان علیہ السلام (باب:۳) دار قطنی میں حکم

بن عتبہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے محمد بن علیؑ (حضرت امام باقرؑ) کی خدمت میں عرض کی، میں نے سنا ہے کہ آپ میں سے ایک شخص خروج کرے گا جو اس اُمت کے درمیان عدل قائم کرے گا؟ فرمایا ہمیں اس کی اُمید ہے کہ جس کی لوگ روایت کرتے ہیں اور ہمیں اُمید ہے کہ اگر دنیا کا ایک ہی دن باقی بچے گا تو خدا اس دن کو ضرور طول دے گا۔ یہاں تک کہ وہ (القائمؑ) ظہور کرے گا، جس کی اس اُمت کو امید ہے۔ لیکن اس سے پہلے بدترین فتنے ہیں، ایسے فتنے کہ شام کو انسان مومن ہوگا اور صبح کو کافر اٹھے گا۔ پس تم میں سے جو اس زمانے کو پائے گا اس کو خدا سے ڈرنا چاہیے اور اپنے گھر میں محدود ہو جائے گا۔

منتخب الاعمال (ج ۵، ص: ۴۰۷) میں ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جبکہ ان کا پیٹ ان کا مقصد ہوگا، ان کا مال و متاع ان کا شرف ہوگا، ان کی عورتیں ان کا قبلہ ہوں گی، ان کا دین ان کے درہم و دینار ہوں گے۔

سیوطی الحاوی للفتاوی (ج ۲، ص ۸۲) میں ہے کہ ثوبان نے رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ: اذا دائیم الرایات السود قد اقبلت من خراسان ..... جب تم خراسان کی طرف سے سیاہ پرچموں کا قافلہ آتے ہوئے دیکھو تو اس میں ضرور شامل ہو جانا، اگرچہ برف پر گھسٹ کے آنا پڑے، کیونکہ اس قافلے میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مہدی علیہ السلام ہیں۔

ینابیع المودۃ (ص ۴۲۶) میں کتاب "المحجہ فیما نزل فی القائم الحجہ" سے خدا کے اس قول: وان تشاء .... کے بارے میں ابو بصیر اور ابو داود سے، انہوں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: یہ آیت حضرت قائمؑ کی شان میں نازل

ہوئی ہے، اور آسمان سے ایک منادی آپؑ کو آپؑ کے پدر بزرگوار کے اسم گرامی کے ساتھ ندا دے گا۔

روضۃ الکافی میں محمد بن حلبی نے حضرت امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: بنی عباس کا اختلاف حتمی ہے، ندائے آسمانی حتمی ہے، قائمؑ کا خروج حتمی ہے۔ میں نے عرض کی: یا ابا عبداللہ! یہ ندا کیسی ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ دن کے پہلے حصے میں ایک منادی آسمان سے ندا دے گا: جان لو کہ علیؑ کا شیعہ ہی کامیاب ہے۔ پھر فرمایا دن کے آخری حصے میں شیطان آواز لگائے گا کہ عثمان اور اس کے شیعہ کامیاب ہیں۔

سنن ابن ماجہ (ج ۲) ابواب الفتن کے جیش البیداء میں روایت ہے کہ عبداللہ بن صفوان نے حفصہ سے، اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حملہ آور سرزمین بیدا پر پہنچیں گے تو خانہ کعبہ حملہ آوروں سے محفوظ رہے گا اور ان کے درمیان کا دستہ زمین میں دھنس جائے گا اور جب ان کا اوّل و آخر آواز دے گا تو سبھی دھنس جائیں گے۔

الملاحم والفتن باب ۲۷ میں نعیم تابعی نے کتاب الفتن میں نقل کیا ہے اور ابو فراس نے امام صادقؑ کا قول ابن عمر سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ بیدا میں لشکر کا دھنس جانا خروج مہدیؑ کی علامت ہے۔

دجال کا خروج:

عقد الدرر (ص: ۱۱۲) کے باب پنجم میں بخاری و مسلم نے اور یہ دونوں معاذ بن جبل سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ حق کی خاطر قتال

کرتے رہیں گے اور اپنے سامنے آنے والے ہر شخص پر غلبہ حاصل کریں گے یہاں تک کہ ان میں سے آخری شخص دجال سے قتال کرے گا۔

سنن ابن ماجہ کی جلد ۲ کے ابواب الفتن، فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ، خروج یاجوج و ماجوج میں ہے کہ ابو امامۃ الباہلی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبے کا زیادہ حصہ دجال سے متعلق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس سے ڈرایا کہ جب سے خدا نے حضرت آدمؑ کی ذریت کو خلق کیا اس وقت سے زمین پر دجال سے بڑا فتنہ رونما ہوا۔ چنانچہ خدا نے جس نبی کو بھیجا ہے، اس نے اپنی امت کو دجال کے خروج سے ڈرایا ہے اور میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں، میں تم لوگوں کو اس کے خروج کے بارے میں آگاہ کرتا ہوں۔

کتاب ینابیع المودۃ (ص: ۴۹۰) میں غایۃ المرام سے، انہوں نے حافظ ابو نعیم سے، انہوں نے ابو امامہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے درمیان خطبہ دیا اور دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مدینے کے رجس کو اس طرح دور کرے گا جس طرح بھٹی لوہے کا زنگ صاف کرتی ہے اور اس دن اعلان کیا جائے گا کہ یہ نجات کا دن ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ فرمایا: اس وقت اہل عرب کم ہوں گے، ان کی اکثریت بیت المقدس میں ہوگی اور ان کے آقا و رہبر مہدی ہوں گے اور وہی رجل صالح ہیں، جو اس روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے کہ جس طرح زمین ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

مذکورہ علامات کے بعد ہمارے ذہنوں میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان علامات کا کوئی فائدہ ہے یا نہیں؟ ان مذکورہ علامات کے فوائد کو تین عنوانات کے تحت بیان کرنا ممکن ہے۔

(۱) ان علامات کے متعلق ایک فائدہ یہ ہے کہ ان سے امام زمانہ کا شرف اور عظمت واضح ہو جائے گی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی علامات و اوصاف بیان کر کے آپؐ کی عظمت و شرافت کو واضح کر دیا۔

(۲) ان علامات کے ذریعے سے دشمنانِ اسلام کو خبردار کیا گیا ہے اور امامؑ کے جہاد سے پہلے مشرکین و کافرین کو ڈرایا جائے تا کہ ان کے دلوں میں امام عالی مقامؑ کا رعب و ہیبت پیدا ہو جائے، اسی طرح روایت میں بھی وارد ہوا ہے کہ اللہ رعب و دبدبہ دے کر قائم آل محمدؑ کی مدد کرے گا۔ آپؑ جس سمت میں رخ کریں گے وہاں پہنچنے سے دو ماہ قبل آپ کا رعب و دبدبہ پہنچ چکا ہو گا۔

(۳) ان علامات کے ذریعے سے دل شکستہ عاشقانِ امامؑ کو مژدہ جاں فزا دیا گیا ہے تا کہ انہیں تسکین قلب میسر آئے اور وہ دشمنوں سے خوف زدہ نہ ہوں اور ان کے دل مضبوط ہو جائے۔

(۴) جب امام ظہور کریں گے تو ان کے ماننے والوں کو امام کے پہچاننے میں مشکل پیش نہیں آئے گا اور عشاق پہلے سے آپ کے استقبال کے لیے تیار ہوں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مقالہ6: مھدویت و ادیانِ عالم

(عمار حیدر)

قال رسول اللہ: المھدی منی اھل الجبھۃ واقنی الانف یملا الارض قسطاً و عدلا کما ملئت جورا و ظلماً یملک سبع سنین:

تمہید: جب بھی ہم آج کے حالات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ہر طرف ظلم و جور، قتل و غارت، فساد و جنگ، خوں ریزیاں، مختلف ممالک کے درمیان کشمکش اور روز بہ روز زیادہ ہونے والی اَخلاقی خرابیاں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ اور پھر ہمارے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب مسائل اس طرح جاری رہیں گے؟ اور کیا یہ ظلم و فساد اس طرح بڑھ جائیں گے۔ کہ پھر انسانی معاشرہ ایک دائمی جنگ میں پھنس کر تباہ و برباد ہو جائے گا، اور کیا صحیح اسلامی عقائد سے انحراف اور اَخلاقی برائیاں انسانی معاشرے کو اسی طرح بگاڑتی رہیں گی، کیا انسانیت کی نجات اور اصلاح کے لیے امید کی کوئی راہ باقی ہے؟ اس طرح پوری گفتگو میں ایک نکتہ ملتا ہے کہ آیا یہ ظلم و جور ختم بھی ہوں گے یا نہیں؟ تو ہمیں بے پرواہو کر یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہاں ایک ایسا وقت آئے گا اور ایک شخص نمودار ہوگا جو اس تمام ظلم و جور کو ختم کر دے گا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بحار الانوار میں ارشاد ہو رہا ہے کہ مہدیؑ مجھ سے ہوگا، جس کی پیشانی روشن وابھری ہوئی ہوگی، اور اس کی ناک کھڑی اور ستواں ہوگی، وہ زمین کو اس طرح عدل و انصاف سے بھر دیں گے، جس طرح ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ اور ان کی حکومت سات سال تک ہوگی۔ اور

اس طرح رسول گرامی ﷺ کی ایک اور حدیث ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ان فی امتی المھدی یخرج یعیش خمسا او سبعا او تسعاً ۔ یقیناً میری امت میں سے ایک مہدیؑ ظہور کرے گا۔ جو پانچ یا سات یا نو سال زندگی بسر کرے گا۔ اور اسی طرح رسول گرامی ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم امامکم منکم.... تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تمہارے درمیان عیسیٰ ابن مریمؑ ہوں گے اور تمہارا امام مہدیؑ تمہارے درمیان ہوگا۔ تو ان احادیث نبوی ﷺ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے امامؑ آئیں گے، لیکن اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ امامؑ کا ظہور صرف اہلِ تشیع کے پاس ثابت ہے یا دوسرے ادیان میں بھی ہے؟ تو اس وقت ہم کہیں گے کہ یہ صرف ہمارے دین میں نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسرے ادیانوں میں بھی ہے۔ وہ منتظر ہیں ایک ایسے شخص کے جو آئے گا، اور وہ پوری دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ آسمانی ادیان کے ماننے والے مسلمان اور ان میں سے بالخصوص شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اس تاریک اور بھیانک شب کے پیچھے امید کی ایک صبح موجود ہے، جو اس سیاہ تاریک رات پر موت کے طوفان اور ویرانی پھیلا دینے والے سیلاب کو ایک دن ختم کرنے والی ہے اور پھر اس کے بعد ایک روشن آسمان چمکتا ہوا سورج اور امن وامان کی فضا انسانی معاشرے کے سامنے آنے والی ہے، جس کی وجہ سے تمام مشکلات کے خوفناک بھنور ختم ہو جائیں گے اور افقِ عالم پر ایک نجات کا ساحل ہماری نظروں کے بالکل قریب ہوگا، اور دنیا ایک عظیم مصلح کے انتظار میں ہے۔ جو تمام دنیا کو ایک انقلاب کے ذریعے عدل وحق سے بھر دے گا۔ البتہ مختلف مذاہب کے ماننے والے اس عظیم مصلح کو الگ الگ

ناموں سے جانتے ہیں۔

(۱) ہندوؤں کی کتاب وش جوگ میں اس کا ذکر کچھ اس طرح ہے کہ بالآخر دنیا ایک ایسے شخص کے انتظار میں پلٹے گی جو خدا کو دوست رکھتا ہوگا اور وہ خدا کے بندوں میں سے خاص بندہ ہوگا۔

(۲) ہندوؤں کی کتاب (باسک) میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ دنیا کا اختتام ایک عادل بادشاہ پر ہوگا، وہ شخص فرشتوں، پریوں اور انسانوں کا رہبر ہوگا اور حق وصداقت اس کے ہمراہ ہوں گے اور وہ سمندروں، پہاڑوں اور زمینوں میں موجود تمام پوشیدہ چیزوں کو حاصل کرے گا، اور زمین سے لے کر آسمان تک جو کچھ بھی ہوگا اس کو وہ خبریں دے گا اور اس سے زیادہ بڑھ کر کوئی شخص دنیا میں نہیں آئے گا۔

(۳) قدیم زمانے کی توریت اور ان کے متعلق مکتوبات کتابوں میں سے ایک کتاب مزامیر داود میں ہم پڑھتے ہیں کہ بُرے لوگ ختم ہو جائیں گے، لیکن خدا پر توکل کرنے والے بندے زمین کے وارث بن جائیں گے اور کتاب کے اسی حصے میں یہ بھی لکھا ہے کہ سچے لوگ زمین کے وارث ہوں گے اور ہمیشہ اس پر حکومت کریں گے اور اس زمین کے وارث مستضعف (کمزور) لوگ ہوں گے، جیسا کہ قرآن مجید میں اس بارے میں ارشاد ہے: کہ: ونرید ان نمن... (سورہ القصص، آیت: ۵) ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ روئے زمین پر کمزور کر دیے گئے ہیں، ان پر احسان کریں اور انہیں لوگوں کا پیشوا بنائیں۔ اور انہی کو سرزمین کا مالک بنائیں۔ اس آیت سے پہلی بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ حق و باطل کے مقابلے میں ایمان

کفر پر غالب ہو کر رہے گا اور اس آیت میں بشارت کا وسیع ترین نمونہ وہ مبنی بر حق وعدالت کی حکومت ہوگی، جو امام مہدیؑ کے ہاتھوں تمام روئے زمین پر چھا جائے گی۔

• نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: لتعطفن الدنیا علینا بعد شماسها.... دنیا اپنی بغاوت وسرکشی کے بعد (اس اونٹنی کی طرح جو دودھ دوہنے والے سے اپنے دودھ کو اپنے بچے کے لیے بچا لیتی ہے) ہماری طرف رخ کرے گی۔ یہ فرمان تفسیر نمونہ میں مذکور ہے۔

اور مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں: ایضاً۔ ھم آل محمد یبعث الله مهدیهم.... وہ آلِ محمدؐ ہیں کہ ان زحمتوں ومصائب کو جو ان پر وارد ہوئی ہوں گی، ان میں سے خدا مہدیؑ کو پیدا کرے گا اور اُن کو عزت دے گا اور ان کے دشمنوں کو ذلیل کرے گا۔ پس اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ امام مہدیؑ آئیں گے جو وارثِ زمین وکائنات ہوں گے۔

(۴) مشہور برطانوی دانشور (برٹرنڈ رسل) کہتا ہے کہ پورا عالم ایک ایسے اصلاح کنندہ کا منتظر ہے، جو سب کو ایک پرچم تلے جمع کرے گا اور سب پر ایک ہی آواز موثر ہوگی اور سب کا نعرہ ایک ہی ہوگا۔

(۵) فزکس کا ماہر ومعروف البرٹ آئن اسٹائن کہتا ہے کہ وہ دن جس میں پورے عالم پر امن اور سلامتی کا راج ہو سب ایک دوسرے سے محبت کریں گے اور آپس میں بھائی ہوں گے، وہ ضرور ہوگا، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

(۶) ایک فرقہ کیسانیہ ہے، جو امام مہدیؑ کی ولادت سے دو صدی پہلے وجود میں آیا تھا۔ یہ لوگ محمد حنفیہ کو امام مہدیؑ منتظر خیال کرتے تھے اور اس بات کے معتقد تھے کہ وہ نگاہوں

سے غائب ہو چکے ہیں اور وہ ایک دن ضرور ظاہر ہوں گے اور اپنے دعوی کے ثبوت کے لیے ان حدیثوں سے تمسک کرتے تھے جو پیغمبر اسلام ﷺ اور ائمہؑ سے امام غائب کے بارے میں نقل ہوئی تھیں۔

(۷) ہندو مذہب کی کتاب (وید) جسے وہ آسمانی کتاب سمجھتے ہیں، میں اس بات کا ذکر ہے کہ دنیا کی خرابی و بربادی کے بعد آخری زمانے میں ایک بادشاہ پیدا ہوگا جو پوری خلائق کا پیشوا ہوگا اور اس شخص کا نام منصور ہوگا اور وہ ساری دنیا کو اپنے دین کا پابند بنائے گا، مومنوں اور کافروں کے درمیان امتیاز پیدا کرے گا اور جو خدا اسے چاہے گا وہ ملے گا۔ (کتاب جہان ص: ۱۰)

(۸) زرتشت کے شاگرد جاماسب کی کتاب میں موجود ہے کہ تازیوں کی سرزمین سے ہاشم کے فرزندوں میں سے ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا سر و بدن بڑا ہوگا، اور اس کی پنڈلیاں بھی بڑی ہوں گی، وہ اپنے جدّ امجد کے دین پر قائم ہوگا اور اپنی فوج کے ساتھ ایران کا رخ کرے گا اور اس کو آباد کرے گا۔ وہ شخص زمین و آسمان کو عدل و انصاف سے بھر دے گا اور اس کے عدل و انصاف کا عالم یہ ہوگا کہ بھیڑیے اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پئیں گے۔ (کتاب جہاں در آئندہ ص: ۱۰)

(۹) زرتشتوں کی کتاب (زند) میں یہ بھی تذکرہ ہے کہ اس وقت یزدان کی طرف سے بڑی کامیابی نصیب ہوگی اور اہرمنوں کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور اہرمنوں کا سارا اقتدار زمین پر ہے۔ آسمان تک ان کی رسائی نہیں ہے اور یزدان کی کامیابی اور اہرمنوں کی شکست کے

بعد یہ دنیا اپنی اصل سعادت کو حاصل کرے گی اور فرزند آدمؑ خوش بختی کے تخت پر جلوہ افروز ہوگا۔ (جہان در آئندہ، ص:۱۰۰)

(۱۰) کتاب عقد الدرر کے باب ہفتم (ص:۱۴۷) میں نعیم بن حماد کی کتاب سے اور اسی کتاب میں سلیمان ابن عیسیٰ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تابوت سکینہ بحیرہ طبریہ سے مہدیؑ کے ہاتھوں میں ظاہر ہوگا اور پھر وہاں سے ان کے سامنے بیت المقدس میں رکھا جائے گا کہ جس کو دیکھ کر یہودی اسلام لے آئیں گے۔

(۱۱) عقد الدرر کے باب سوم (ص:۴۰) میں مذکور ہے کہ بعض روایت کے مطابق حضرت مہدیؑ کو اس لیے مہدی کہا گیا ہے کہ آپؑ کو توریت کے بعض سپاروں کی طرف ہدایت دے کر لے جایا جائے گا کہ آپ ان گمشدہ سپاروں کو شام کے پہاڑوں سے نکال سکیں اور پھر یہودیوں کو اس کی جانب دعوت دے سکیں، اس کے نتیجے میں ایک کثیر تعداد اسلام لے آئے گی۔

(۱۲) صاحب عقد الدرر کہتے ہیں کہ ابو عمر مدائنی نے اپنی کتاب سنن میں تحریر کیا ہے کہ مہدیؑ کو اس لیے مہدی کیا گیا ہے، کیونکہ ان کو شام کے پہاڑوں کے راستے کی ہدایت کی جائے گی جس میں سے وہ توریت کے سپاروں کو نکالیں گے اور اس کے ذریعے یہودیوں سے محاربہ (جنگ) کریں گے، جس کے نتیجے میں یہودیوں کی ایک کثیر تعداد آپ کے ہاتھوں اسلام لے آئے گی۔

(۱۳) کتاب اسعاف الراغبین میں مرقوم ہے کہ تابوت سکینہ کو انطاکیہ کے غار سے اور توریت کے سپاروں کو شام کے پہاڑ سے نکالیں گے، پھر اس کے ذریعے یہودیوں سے محاربہ کریں گے جن کے نتیجے میں بہت سے یہودی اسلام لے آئیں گے۔

غیبت امام مہدیؑ پر علمائے اہل سنت کا اجماع:

جمہور علمائے اسلام امام مہدیؑ کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، اس میں شیعہ وسنی کا سوال نہیں ہے، ہر فرقہ کے علماء مانتے ہیں کہ آپؑ پیدا ہو چکے ہیں اور موجود ہیں۔ ہم علمائے اہل سنت کے اسماء مع ان کی کتابوں اور مختصر اقوال درج کرتے ہیں:

(۱) علامہ محمد بن طلحہ شافعی اپنی کتاب مطالب السئول میں فرماتے ہیں کہ امام مہدیؑ سامرہ میں پیدا ہوئے ہیں، جو بغداد سے ۲۰ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔

(۲) علامہ علی ابن محمد ابن صباغ اپنی کتاب فصول المہمہ میں فرماتے ہیں کہ گیارھویں امام حضرت امام حسن العسکری علیہ السلام نے اپنے بیٹے امام مہدیؑ کی ولادت کو بادشاہِ وقت کے خوف سے پوشیدہ رکھا۔

(۳) علامہ شیخ عبداللہ ابنِ احمد اپنی کتاب تاریخ موالید میں فرماتے ہیں کہ امام مہدیؑ کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم ہے، آپؑ آخری زمانے میں ظہور وخروج کریں گے۔

(۴) علامہ محی الدین ابن عربی حنبلی اپنی کتاب فتوحات میں فرماتے ہیں کہ جب دنیا ظلم وجور سے بھر جائے گی تو اس وقت امام مہدیؑ ظہور کریں گے۔

(۵) علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب الیواقیت (جمع یاقوت) والجواہر میں فرماتے ہیں کہ امام مہدیؑ ۱۵ شعبان ۲۵۵ ہجری میں پیدا ہوئے تھے، اس وقت یعنی ۹۵۷ھ میں ان کی عمر ۷۰۳ سال ہے۔

(۶) علامہ عبدالرحمن جامی حنفی اپنی کتاب شواہد النبوۃ میں فرماتے ہے۔ کہ امام

مہدیؑ سامرہ میں پیدا ہوئے ہیں۔اوران کی ولادت لوگوں سے پوشیدہ رکھی گئی ہے۔وہ امام حسن عسکریؑ کی موجودگی میں غائب ہو گئے تھے۔اوراس کتاب میں ولادت کا پورا واقعہ حکیمہ خاتون کی زبانی مندرج ہے۔

(۷)علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب (مناقب ائمہؑ) میں فرماتے ہیں۔کہ امام مہدیؑ ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔امام حسن عسکریؑ نے ان کے کان میں اذان واقامت کہی ہے۔اور تھوڑے عرصے کے بعد آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے مالک کے سپرد ہو گئے کہ جن کے پاس حضرت موسیٰؑ بچپنے میں تھے۔

(۸)علامہ جمال الدین محدث دہلوی اپنی کتاب (روضۃ الاحباب)میں فرماتے ہیں۔کہ امام مہدیؑ ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور زمانہ معتمد عباسی میں شخصین بمقام (سرمن رائے)ازنظر برایا غائب شد(لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے)

ہندوؤں کا عقیدہ:

شاکمونی جو کہ ہندوؤں کی ایک بزرگ شخصیت تھے۔اور ہندوان کو(اوتار) کا درجہ دیتے ہیں اورانھیں صاحب کتاب یعنی پیغمبر کی حیثیت سے مانتے ہیں،چنانچہ انہوں نے آخر زمان مصلح اعظم اور وحدت دین کے متعلق پیش گوئی کرتے ہوئے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ دنیا کی سلطنت وبادشاہی دو جہان کے سردار(کشن) کے فرزند کے ہاتھ میں آئے گی۔(کشن لغت میں پیغمبر اسلام ﷺ کا نام ہے)اور فرماتے ہیں۔کہ کشن کا فرزند دنیا کے مشرق و مغرب کے پہاڑوں پر حکومت کرے گا۔فرشتے ان کے کارکن ہوں گے اور جن وانس ان کے خدمت گزار ہوں گے۔اور فرزند کشن ملک سوڈان سے لے کر(جو کہ خط استوا میں واقع

ہے) قطب شمالی کے نوے درجے تک کی سرزمین پر حاکم ہوگا۔ اور ان زمینوں پر بھی حکومت کرے گا۔ جو سمندروں کے پار ہوں گی۔ اور اس وقت دین خدا ایک دین ہوگا (یعنی لوگ ایک ہی دین پر قائم ہوں گے) اور خدا کا دین زندہ کرے گا۔ اور اُس شخص کا نام (کہزا ہو تیوالا) ہوگا۔ اور وہ خدا شناس ہوگا۔

کہزا ہو تیوالا لفظ قائمؑ کا ترجمہ ہے۔ اور شیعیانِ آلِ محمد ﷺ امام زمانہؑ کو قائم ؑ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

الکتاب المقدس فی بحث المہدی القدیم (شیعہ کی کتاب) میں موجود بشارتیں ذکر ہوئی ہیں (قاضی الساباطی) نے ان بشارتوں میں سے ایک کو لیا ہے، اور اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ یہ بشارت حضرت امام مہدیؑ کے متعلق واضح اور روشن بیان ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ (امامیہ فرقہ والے کہتے ہیں) بلکہ وہ مہدی محمد ابنِ حسن العسکریؑ ہیں، جو ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ امام حسن عسکریؑ کے اسی حرم سے جن کا نام نرجس ہے۔ اور سرزمینِ سرمن رائے سامرہ شہر میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اس وقت خلیفہ معتمد عباسی کی حکومت تھی۔ پھر وہ ایک سال جو بات کتب اہلبیت سے ثابت ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ کی غیبت امام حسن العسکریؑ کی وفات کے بعد شروع ہوئی۔ جو تقریباً ۷۰ سال رہی ہے۔ پہلی غیبت تھی جسے غیبت صغریٰ کہا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد دوسری غیبت ہوئی، جسے غیبت کبریٰ کہا جاتا ہے۔ اس غیبت سے آپؑ واپس نہیں آئے ہیں، مگر یہ کہ جب اللہ چاہے گا، تو واپس آئیں گے۔ (ساباطی) اس بیان کے بعد لکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ امامیہ فرقے کا نظریہ کتاب المقدس میں ذکر شدہ بشارت کے زیادہ قریب تھا۔ اور میرا ہدف اُمت محمد ﷺ کے نظریات کا دفاع ہے، جو کہ مذہبی تعصب سے جدا تھا، اس

لیے میں نے اس بات کا ذکر کیا ہے۔ جس کے امامیہ فرقے والے قائل ہیں۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں، کتاب مقدس میں درج شدہ بعض اشارات اسی کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔

اسی طرح جب فخر الدین جو کہ نصرانی تھا، اسلام قبول کر لیتا ہے اور وہ مذہب اہلبیتؑ سے خود کو وابستہ کر لیتا ہے، تو وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ جس پر علامہ سا باقی اہلسنت کے علامہ پہنچے تھے۔ تو انہوں نے اسلام لانے کے بعد "انیس الاسلام" نامی ایک کتاب لکھی۔ جس میں یہود و نصاریٰ کو رد (باطل) کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اس نے کتاب مقدس میں بیان شدہ بشارتوں کو بیان کیا ہیں۔ اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہیں۔ کہ یہ سب بشارتیں حضرت امام مہدیؑ پر صادق آتی ہیں۔

ابو سعید خدری نے رسول اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

آخری زمانے میں سلطان کی طرف سے میری امت پر اتنی سختی نازل ہوگی کہ ایسی سختی پہلے کسی نے نہ سنی ہوگی اور نہ دیکھی ہوگی اور زمین اپنی فراخی کے باوجود میری امت پر تنگ ہو جائے گی اس وقت زمین ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی ایمان والوں کو ظلم و ستم سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ دکھائی نہ دے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ میرے خاندان سے ایک شخص کو بھیجیں گے تاکہ ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے۔ پھر آسمان و زمین کے تمام رہنے والے امن و آرام سے رہیں گے۔ اور زمین اپنی نباتات ان کے لیے اُگائے گی اور آسمان پے در پے بارش برسائے گا اور حالت یہ ہوگی کہ مردے بھی دوبارہ زندگی بسر کرنے کی خواہش کریں گے اور وہ لوگوں پر سات سال یا نو سال حکومت کریں گے۔

(حوالہ: البیان فی اخبار صاحب الزمانؑ حافظ گنجی شافعی۔ ص: ۴۹۳)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆



مدرسۃ المھدیؑ عرصہ دراز سے تعلیم و تربیت کے سلسلے میں اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ نظام تعلیم کو بہتر بنانے اور معاشرے کو تعلیمات محمد و آل محمد علیہم السلام سے روشناس کرانے کے لیے آپ مومنین کرام کا تعاون درکار رہے گا۔

اس سلسلے میں مدرسہ ہذا کو تمام مجتہدین کرام کی جانب سے وجاہات شرعیہ یعنی خمس، زکوٰۃ، صدقات و نذورات خرچ کرنے کی اجازت حاصل ہے، عارضی رسید مدرسے سے حاصل کی جاسکتی ہے اور مجتہدین کرام کی جانب سے ملنے والی رسید مومنین تک پہنچائی جاسکتی ہے۔

رابطے کے لیے:

مدرسۃ المہدیؑ B-17، سیکٹر 15-A، بفرزون نارتھ کراچی۔ فون: 021-36973178
0333-2299697